یا ودود

وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیْ

محبت

(جدید ایڈیشن مع اضافات)

از افادات

سرحلقۂ عشاق، شاہ محبوبانِ جہاں، عارف باللہ، برکۃ العصر، قطب العالم، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا المہاجر المدنی قدس اللہ سرہٗ

○ محبت کا راز — ○ محبت کی لذت
○ محبت کا حصول — ○ محبت و نفرت کا تلازم

مرتبہ

محمد اقبال (مدینہ منورہ)

ناشر:- مکتبۃ الشیخ ۳/۳۶۷- بہادر آباد- کراچی ۵

"ارشادِ گرامی"

امام العصر، برکۃ الدہر، عالم ربّانی، عارف باللہ، ولی کامل شیخ الوقت
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ

باسمہٖ سبحانہٗ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد! اِس ناکارہ نے صوفی اقبال صاحب کا رسالہ[1] سُنا ماشاء اللہ تعالیٰ بہت اونچے مضامین کو بہت آسان طریقہ سے سمجھایا ہے، باتیں تو بہت اہم اور کار آمد ہیں بشرطیکہ لوگوں کو اس پر عمل کی توفیق ہو اور اللہ جل شانہٗ سے محبّت کا ذریعہ بنے، اِس ناکارہ کے متعلّق جو اس رسالہ میں لکھا وہ پسند نہیں آیا اسکو حذف کر دیں تو اچھا ہے۔

اللہ تعالیٰ لکھنے والے اور پڑھنے والوں کو اپنی ذاتِ عالی کے کیساتھ عشقِ حقیقی نصیب فرمائے اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سچی محبّت اور اتباع نصیب فرمائے

فقط

حضرت شیخ الحدیث صاحب (قدس سرہٗ)
بقلم حبیب اللہ، ۲۶ رجمادی الثانیہ ۱۳۹۵ھ

---

[1] یہ رسالہ پہلی مرتبہ ۱۳۹۶ھ میں چھپا تھا۔ اس کے بعد دوسری بار مع اضافہ ۱۳۹۹ھ میں طبع ہوا۔ پھر نایاب ہو گیا۔ احباب کے اصرار پر اصلاح و ترمیم کے ساتھ اب اسے پھر طبع کیا جا رہا ہے۔
(مُرتّب)

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم الذی ھو بالمومنین رؤف الرحیم

وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہ

محبت کا شیریں تذکرہ فخر عالم سید الکونین حبیب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ بقدر حسنہٖ وجمالہٖ کے اقدام عالیہ میں بیٹھ کر لکھنا شروع کرتا ہوں، حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف وکرم سے اور محبوب کے وسیلہ سے بندہ کو اور ناظرین کو اپنی اور اپنے پاک رسول کی محبت ورضا عطا فرمائیں۔

محبت ایک وجدانی کیفیت ہے اس کی حقیقت ادا کرنے سے انسانی دنیا کے الفاظ قاصر ہیں، لیکن اس کا مادہ فطری طور پر ہر شخص میں موجود ہے ؎

ازل سے حسن پرستی لکھی تھی قسمت میں
مرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا

پیدا ہوئے تو ہاتھ جگر پر دھرے ہوئے
واللہ ہم ہیں کب سے کسی پر مرے ہوئے

مری طفلی میں شانِ عشق بازی آشکارا تھی
اگر بچپن میں کھیلا کھیل تو آنکھیں لڑانے کا

شاہد بزم ازل نے اِک نگاہ ناز سے
عشق کو اس انجمن میں مسند آرا کر دیا

محبت کے ابتدائی درجہ کا ادراک ہر شخص کو حاصل ہے جس کو میلان کہتے ہیں اور اعلیٰ درجہ جس کو عشق کہتے ہیں اس کا ظہور کسی کسی میں ہوتا ہے۔ مگر یہ دولت ہر انسان کی فطرت میں چھپی ہوئی ہے کیونکہ جب ہم محبت والوں کے قصے پڑھتے ہیں تو دل میں ایک گدگدی سی اُٹھتی ہے ؎

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اِک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی

یہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ ہمارے دلوں میں بھی محبت کا مادّہ موجود ہے کیونکہ ہر جنس اپنے ہم جنس کی طرف کشش اور میلان رکھتی ہے البتہ اس جوہر کے ظہور کے درجات بے حد ہیں اور اس کے ظاہر ہونے کے مواقع یعنی جہاں یہ دولت سرسبز ہو کر ظاہر ہوتی ہے ان کے مراتب بھی غیر متناہی ہیں لہٰذا محبّت کا جو درجہ اور محبوب کا جو مرتبہ ہوگا اسی کے مطابق محبت کے اثرات مرتب اور ثمرات ظاہر ہوں گے۔ اور محبّت کے اعلیٰ درجہ کا نام عشق ہے۔

محبّت کا گھٹیا درجہ

بعض لوگوں نے محبّت کے اس جذبہ کو دنیا کی بے شمار مختلف چیزوں سے وابستہ کر رکھا ہے، اس طرح اس کی طاقت بکھر جانے کی وجہ سے اس جذبہ کا کوئی نمایاں اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ چنانچہ جن لوگوں نے دنیا کی پُر کشش چیزوں میں سے کسی ایک چیز سے اس جذبہ کو وابستہ کیا تو اس سلسلہ کی ان کو نمایاں ترقیاں حاصل ہوئی ہیں لیکن یہ محبت اور محبوب اس قدر گھٹیا ہوتے ہیں کہ ان چیزوں سے محبت کرنے والوں کو کوئی عشاق کے نام سے نہیں پکارتا۔

ہاں بعض لوگوں نے مخلوق میں سے اشرف المخلوقات یعنی انسان کے کسی

ایک فرد سے محبت کی تو اس محبت میں کافی ترقی ہوئی کیونکہ انسان میں محبت کرنے کی وجوہات حُسن و کمال وغیرہ دیگر ساری مخلوق سے زیادہ پائی جاتی ہیں اور خود ان معشوقوں میں بھی محبت کا مادہ پایا جاتا ہے۔ وہ بھی عاشق کے جذبۂ عشق کو اپنی طرف مقناطیس کی طرح کھینچتا ہے۔

عشق اول در دل معشوق پیدا می شود
تا نسوزد شمع کے پروانہ شیدا می شود

یعنی محبّت پہلے محبوب کے دل میں اُبھرتی ہے اس لئے عشق اور محبت کے جتنے قصّے مشہور ہیں وہ سب انسانی محبت کے ہیں۔ لیلیٰ مجنوں، شیریں وفرہاد وغیرہ کے قِصّے تو زیادہ شہرت پا گئے اور ہر شخص کے کان اُن سے آشنا ہیں لیکن اس قسم کے بے شمار عشاق اور بھی ہوتے ہیں جن کی شہرت نہیں ہو پاتی۔ ہمارے اس گئے گزرے دور میں بھی ایسے عشاق موجود ہیں۔

محبّت میں ڈیوک آف ونڈسر کی قربانی

ہمارے سامنے کا واقعہ ہے کہ انگلستان کے بادشاہ کے بیٹے ڈیوک آف ونڈسر نے ایک دھوبن کے عشق میں اتنی بڑی بادشاہت پر لات ماردی جس میں کبھی سورج نہ ڈوبتا تھا، آج کل چونکہ مادّہ کا زمانہ ہے بادشاہت کو چھوڑنا بڑی بات سمجھی گئی اس لئے واقعہ مشہور ہو گیا لیکن آئے دن بہت سے آدمی اسی طرح کے عشق میں اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں ان کی شہرت نہیں ہوتی۔

انسانی محبّت سے کیا مِلا

لیکن کبھی ہم نے یہ نہیں سوچا کہ ان مخلوق کے عاشقوں نے مخلوق سے عشق کر کے اور اپنے اس مبارک اور زبردست جوہر کو ایک مخلوق کے لئے صرف کر کے

کیا پایا، بے شک اس راستہ میں حیرت انگیز قربانیوں کا مظاہرہ ہوا اس عشق سے پیدا شدہ کیفیات مثلاً عزم اور حوصلہ کی بے پناہ قوت اور بلندی، ایثار و قربانی کا جذبہ، تواضع اور خود کو مٹانے کا جذبہ، تکبر اور عجب جیسے خطرناک امراض سے نجات پانا وغیرہ کا ظہور ہوا، عشق کی تعریف اور اس کا احترام کیا گیا، لیکن عشق سے پیدا شدہ صفات کے حصول کے بعد خود ان عشاق نے اپنے کو کیا فائدہ پہنچایا یا محبوب نے ان کو کیا دیا سوائے بربادی اور خواری کے کچھ بھی نہ ملا۔ خسر الدنیا والآخرۃ ہوئے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اپنے اس عظیم الشان جوہر اور اپنے خالق یعنی اللہ کے اس انعام کی قدر نہیں کی اور اس کو اپنے جیسی مادی مخلوق پر صرف کر دیا جو کہ بہر حال فنا ہونے والی تھی اور ان میں محبت کو ابھارنے اور بھڑکانے والی صفات ناپائیدار اور عارضی اور مجازی تھیں کوئی بھی صفت ان میں اصلی اور پائیدار تھی اس لئے جیسے وہ خود فانی تھیں نتیجہ بھی فانی ہوا۔

عشق با مردہ نباشد پائیدار

دراصل عشق و محبت کی حقیقت میں اضطراب و قلق، فقدانِ سکون اور بے قراری رکھی ہوئی ہے۔ گویا محبت دائمی بے قراری و بے چینی کو چاہتی ہے۔ لہٰذا اس کا متعلق بھی ایسا ہی محبوب ہونا چاہیئے جو لازوال اور غیر فانی ہو جس کی کوئی انتہا اور حد نہ ہو جس کے دیدار سے اور جس کے وصال سے کبھی سیری نہ ہو۔ اور ایسی ذات اور ایسا محبوب صرف ذاتِ باری تعالیٰ اور معبودِ حقیقی ہی ہے۔ لہٰذا حق تعالیٰ کے سوا کسی سے بھی جس کو بقاء و دوام حاصل نہ ہو جو متناہی اور فانی ہو غیر سرمدی اور محدود ہو محبت کو متعلق کرنا ظلم ہے۔ عشاق میں جن خوش نصیبوں کو ہدایت ہوئی۔ انہوں نے اپنے عشق کو ہمیشہ باقی رہنے والی چیز یعنی آخرت اور جنت سے وابستہ کیا۔ تو وہ دنیا میں بھی کامیاب ہوئے اور آخرت

میں بھی سرخرو ہوئے ۔ اور ابرار یعنی نیکوکار کہلائے ۔ اصحاب یمین میں شمار ہوئے۔ اور ان میں سے جنہوں نے ترقی کر کے محبوب حقیقی جلّ شانہٗ کی ذات کو مقصود بنایا وہ سابقین مقرّبین کے زمرہ میں شامل ہوئے ان دونوں قسموں کے عشاق کا یک ایک واقعہ سنیئے۔

حضرت مالک بن دینارؒ اور خوبصورت باندی

حضرت مالک بن دینارؒ نے ایک عاشق مجازی کو عشق حقیقی کی طرف دعوت دی جس کا قصّہ اس طرح ہے۔

حضرت مالک بن دینارؒ ایک دفعہ بصرہ کی گلیوں میں جارہے تھے کہ راستہ میں ایک باندی ایسے جاہ وجلال اور حشم و خدم کے ساتھ جارہی تھی جیسا کہ بادشاہوں کی باندیاں ہوتی ہیں ۔ حضرت نے اس کو دیکھا تو آواز دے کر فرمایا اے باندی! تیرا مالک تجھے فروخت کرنا چاہتا ہے یا نہیں ؟ وہ باندی اِس فقرہ کو سُن کر حیران رہ گئی ۔ کہنے لگی کیا کہا پھر کہو۔

انہوں نے پھر ارشاد فرمایا ، اس نے ازراہِ تحقیر کہا ۔ اگر فروخت بھی کرے تو کیا تجھ جیسا فقیر خرید کر سکتا ہے ؟ فرمایا ہاں اور تجھ سے بہتر کو بھی خرید سکتا ہے ۔ وہ باندی یہ سُن کر ہنس پڑی اور اپنے خدّام کو حکم دیا کہ اس فقیر کو پکڑ کر ہمارے ساتھ ہی لے چلو (ذرا مذاق ہی رہے گا) خدام نے حضرت کو پکڑ کر ساتھ لے لیا ، جب گھر پہنچے تو اس نے اپنے آقا کو یہ سب قصہ سُنایا وہ بھی سُن کر بہت ہنسا جب حضرت کو آقا کے سامنے پیش کیا گیا ۔ تو اس کے دل میں خود بخود حضرت کی ایک ہیبت سی چھاگئی اور پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں ۔

"انہوں نے فرمایا کہ اپنی باندی میرے ہاتھ فروخت کردو ۔ اس نے پوچھا کہ آپ اس کی قیمت دے سکتے ہیں"۔

حضرت مالکؒ نے فرمایا ۔ میرے نزدیک اس کی قیمت دو بُجھی ہوئی گُٹھلیاں

ہیں۔ یہ سُنکر سب ہنسنے لگے۔ اس نے پوچھا کہ تم نے یہ قیمت کس مناسبت سے تجویز کی؟ انہوں نے فرمایا کہ اس میں بہت سارے عیب ہیں۔ اگر یہ عطر نہ لگائے تو بدن سے بو آنے لگے اگر بالوں میں تیل نہ لگائے کنگھی نہ کرے تو بال پراگندہ بدنما ہو جائیں جوئیں ان میں پڑ جائیں۔ اور سر میں سے بو آنے لگے۔ اگر دانت صاف نہ کرے تو منہ میں سے سرانڈ آنے لگے۔ ذرا عمر زیادہ ہو جائے تو بوڑھی ہو جائے گی۔ منہ لگانے کے قابل بھی نہ رہے گی حیض اس کو آتا ہی ہے۔ پیشاب پاخانہ بھی کرتی ہے۔ ہر قسم کی گندگیاں تھوک، سنک، رال وغیرہ اس کے بدن سے نکلتے رہتے ہیں۔ رنج وغم کی پریشانیاں اس کو پیش آتی رہتی ہیں خود غرض اتنی ہے کہ یہ محض اپنی غرض کے لئے تجھ سے محبت کرتی ہے۔ محض اپنی راحت و آرام کی خاطر تجھ سے الفت جتاتی ہے۔ آج اسے کوئی تکلیف تجھ سے پہنچ جائے ساری محبّت ختم ہو جائے، انتہائی بے وفا کوئی قول اقرار پورا نہ کرے اس کی ساری محبّت جھوٹی ہے۔ کل کو تیرے بعد کسی دوسرے کے پہلو میں بیٹھے گی اور اس سے بھی ایسی الفت و محبّت کا دعویٰ کرے گی۔

میرے پاس اس سے ہزار درجہ بہتر باندی ہے جو اس سے نہایت کم قیمت ہے وہ کافور کے جوہر سے بنی ہوئی ہے۔ اور مشک و زعفران کی ملاوٹ سے اس کا خمیر بنا۔ اس پر مشک اور کافور لپٹا گیا ہے۔ اگر کھارے پانی میں اسکا لعاب دھن ڈالدیا جائے تو وہ میٹھا ہو جائے اور مُردہ سے اگر وہ بات کرے تو زندہ ہو جائے۔ اگر آفتاب کے سامنے اس کی کلائی کردی جائے۔ تو آفتاب بے نور ہو جائے اسے گہن لگ جائے۔ اگر وہ اندھیرے میں آجائے تو سارا گھر روشن ہو جائے اور چمک اٹھے۔ اگر وہ دنیا میں اپنی زیب زینت کے ساتھ آجائے تو سارا جہان معطّر ہو جائے۔ اس باندی نے مشک اور زعفران کے باغوں میں پرورش پائی ہے۔

یاقوت اور مرجان کی ٹہنیوں میں کھیلی ہے۔ ہر طرح کی نعمتوں کے خیموں میں اس کا محل سرائے ہے۔ تسنیم (جو جنت کی نہروں میں سے ایک نہر ہے) کا پانی پیتی ہے۔ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتی۔ کبھی اپنی محبت نہیں بدلتی۔ اب تم ہی بتاؤ کہ قیمت خرچ کرنے کے اعتبار سے کونسی باندی زیادہ موزوں ہے؟ سب نے کہا وہ باندی جس کی آپ نے خبر دی۔ آپ نے فرمایا۔ اس باندی کی قیمت ہر وقت ہر زمانہ میں ہر شخص کے پاس موجود ہے۔ اس کے بعد شیخ نے اس کو حاصل کرنے کے طریقے بتائے اور حاصل کرنے والے شخص کا دنیا و آخرت میں جو اعزاز ہوتا ہے۔ وہ بتلایا۔ اس کے ساتھ جو دوسری نعمتیں ملتی ہیں (ان سب کا ذکر آخر رسالہ میں کیا جائے گا) وہ بتلائیں یہ سنکر آقا نے اس باندی کو آزاد کر دیا۔ اور باندی و آقا دونوں نے اس فانی عیش و عشرت کو چھوڑ کر عشق حقیقی کو اختیار کر لیا۔ اب اس سے بڑے درجہ والے عشق یعنی مقربین کے حال کا ایک قصہ پڑھیں۔

حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ممشاد دینوریؒ کے انتقال کے وقت ایک بزرگ ان کے پاس بیٹھے تھے۔ وہ ان کے لئے جنت ملنے کی دعا کرنے لگے حضرت ممشادؒ ہنسے اور فرمایا۔ کہ تیس برس سے جنت اپنی ساری زینتوں سمیت میرے سامنے آتی رہی (مکاشفہ میں) میں نے ایک مرتبہ بھی اس کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھا۔ میں تو جنت کے مالک کا مشتاق ہوں ؎

حُور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا
سب سے بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا

اور

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

عشق ایمان کیلئے لازم ہے

ان واقعات کو پڑھ کر اگر محض دل خوش کر لیا جائے تو کوئی خاص نفع نہیں۔ بندہ بار بار یہ عرض کر رہا ہے اور تحریر کا مقصد بھی یہی ہے۔ اسی کی دعوت ہے۔ کہ یہ عشق کا مادہ خود ہمارے اندر موجود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت خاصہ سے ہمارے اس مادہ کا تعلق اس نے اپنی ذات عالی سے ہی رکھا ہے۔ کیونکہ ہمیں ایمان عطا فرمایا۔ گویا کہ اپنا عاشق بنایا جس کی اسکے محبوب حقیقی نے اپنے سچے کلام میں خبر دے دی ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ یعنی جو لوگ ایمان لائے ان کو اللہ تعالیٰ سے بہت پکا عشق ہے۔ اور بہت سی روایات میں اللہ تعالیٰ کی محبت کو ایمان کی شرط فرمایا گیا ہے، چنانچہ جب ابورزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا۔ یارسول اللہ! ایمان کیا ہے تو فرمایا۔

ان یکون اللہ ورسولہ احب الیکم مما سواھما۔	یعنی اللہ اور اس کا رسول تمام ماسوا کے تمہارے نزدیک محبوب ہو جائیں۔

دوسری حدیث میں ہے:

لا یومن احدکم حتٰی اکون احب الیہ من والدہٖ وولدہٖ والناس اجمعین (بخاری و مسلم)	تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے لئے باپ اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اور ایک روایت میں "من نفسہٖ" بھی آیا ہے۔ یعنی اس کی جان سے بھی زیادہ، اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی ایمان والے کو عشق حقیقی ضرور حاصل ہوگا۔ گویا ایمان دراصل اس عشق کا نام ہے جس سے کوئی مومن خالی نہیں ہو سکتا۔ اور جو اس سے خالی

ہو اس کا ایمان ناقص ہے۔ اس کو اسے حاصل کرنا ضروری ہے۔ تاکہ مومن کا حقیقی مصداق بن سکے۔ کیونکہ بلا عشق کے ایمان کا کچھ اعتبار نہیں کہ کب ختم ہو جائے۔

شیطان کے کافر ہو جانے کا سبب یہی تھا کہ وہ عشق سے محروم تھا اگر اس کو عشق ہوتا تو وہ اپنے خالق، مالک، مربی، منعم اور محسن کے حکم کے سامنے تکبر نہ کر سکتا۔

البتہ اس عشق کے مراتب متفاوت ہیں جن میں ادنیٰ درجہ الفت و میلان کا ہے، اور انتہائی درجہ جوش و ولولہ اور ہیجان کا ہے پھر اس کی کیفیت بڑھتی رہتی ہے اور اس کی کوئی انتہا نہیں۔

یہ درجہ صرف سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نصیب ہوا تھا جس کی وجہ سے آپ محبوبیت خاصہ سے نوازے گئے تھے اور نیچے کے مراتب میں جس خوش نصیب کے لئے جتنا مقدر تھا وہ عطا ہوا۔ اور اتنے ہی ان پر عشق کے ایسے احوال طاری ہوئے۔ کہ دیکھنے والے قیس و فرہاد کے قصوں کو بھول گئے۔ ہم کو بھی اپنا حصہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ ہم کو بھی دنیا و آخرت کی لذتیں کامیابیاں اور کامرانیاں حاصل ہوں۔ اور کسی کو یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ ہم اس قابل کہاں کہ اللہ پاک کے عشق کا دم بھرنے لگیں۔ اور مقربین کے زمرہ میں داخل ہوں۔ یہ مایوسی ہے اور شیطان کا فریب ہے کہ بندہ کو اس کے رب سے دور رکھنا چاہتا ہے اللہ پاک نے اپنی رحمت سے مایوسی کو گمراہی قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

ومن يقنط من رحمة ربه الا الضالون۔	اور گمراہوں کے علاوہ اپنے رب کی رحمت سے کون مایوس ہو سکتا ہے۔
(سورۃ حجر)	

حُسن کی بارگاہ عالی میں عشق

حسن کی بارگاہ میں عشق کو اپنی نارسائی کا شکوہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اس لیے کہ حُسن سدا سے عشق نواز اور دوست طلب ہوا قع ہوا ہے ؎

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست　　با کریماں کارہا دشوار نیست

ان کے کرم کے ہم نثار ان کی عطا کا کیا شمار
دے دیا عاصیوں کو بار اپنے حریم ناز میں

(شیخ سلیمان)

بہتیرے ایسے غریب و بیکس۔ نادار اور پیشہ ور جن کو لوگ حقارت سے دیکھتے تھے۔ باعزت مشائخ بن چکے ہیں حتیٰ کہ ڈاکو اور رہزن بھی، جیسا کہ حضرت فضیل بن عیاض قدس سرہٗ کہ پہلے وہ یہی رہزنی اور غارت گری کیا کرتے تھے مگر عشق کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد سلسلہ اولیاء اللہ کے کبار مشائخ میں سے ہوئے ہیں۔ اسی طرح مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ جن کا قصہ گذشتہ صفحات میں آپ نے پڑھا ہے یہ بھی بہت بڑے مشائخ میں سے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ پہلے ایک عام سپاہی تھے۔ اور خاص طور پر شراب پینے کے عادی تھے۔

دعوتِ محبّت

اس محبوب نے خود ہم کو اپنی پاک ذات سے محبّت کرنے کی دعوت دی ہے۔ کہ سب سے پہلے روزِ ازل ہی میں ہماری ارواح پر اُن صفات کو ظاہر فرمایا جو عشق کا سبب بنتی ہیں۔ یعنی کمال، جمال اور احسان۔

اسی لئے اپنی ذات عالی پر ایمان لانے کا حکم فرمایا۔ کیونکہ ہماری ارواح میں محبت کا مادہ صفات کے مشاہدہ سے پیدا ہو چکا تھا یہ کرم اس طرح ہوا کہ روز میثاق میں ہماری روحوں سے سوال ہوا کہ "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ"، تو ہم نے جواب دیا کہ

بے شک ہم سب آپ کے رب ہونے کے گواہ ہیں۔ شہادت و گواہی کچھ دیکھ کر ہی دی جاتی ہے۔ ہم پر کلام مبارک کے نور سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا کمال، جمال اور احسان اور اس کی طرف اپنا کلی احتیاج ظاہر ہو گیا۔ اس وقت ہماری روحیں محبت عشق سے مست ہو گئیں۔

عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

جرعۂ مے ریخت ساقی الست
برسر ایں خاک شدہ ہر ذرہ مست

یعنی ساقی الست (محبوب حقیقی) نے مے معرفت "الست بربکم" کا چھینٹا اس خاک پر ڈال دیا تھا جس کے اثر سے اس خاک کا ہر ذرہ مست ہو گیا اور پھر عالم ارواح سے ہم کو کارنامہ ہائے محبت کے لئے الگ کیا گیا۔ اور آلات محبت ہاتھ، پاؤں، سر، دماغ دیئے جس سے محبت و ایمان کے تقاضے یعنی اطاعت و بندگی پیدا ہو تاکہ اپنے بندوں کا اپنی راہ میں گرم بازاری عشق کا مظاہرہ دیکھیں اور محبت کا بیج ہماری جانوں میں وہیں سے بو دیا ؎

دل ازل سے ہے کوئی آج کا شیدائی ہے
تھی جو اک چوٹ پرانی وہ ابھر آئی ہے

(ماخوذ از معرفت الٰہیہ)

پھر جو خوش قسمت ارواح اس عہد پر قائم رہے اور ایمان لائے ان کو اپنے مخفی عشق کی اطلاع بھی فرما دی کہ "والذین امنوا اشد حباً للّٰہ" یعنی مومن کو اللہ تعالیٰ سے بہت پکی محبت (اسی کو عشق کہتے ہیں) ہوتی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی کل کائنات میں اپنی محبت کے لئے حضرت انسان کو نوازنا تھا اس لئے اس کو اپنی صفات کا مظہر بنایا "ولقد کرمنا بنی آدم" کا تاج اس کے سر پر رکھا، اس کی خلقت کو احسن تقویم کا خطاب دیا اور ارشاد فرمایا کہ میں نے

انسان کو اپنے دونوں ہاتھوں یعنی غیب کی دونوں قوتوں ظاہر و باطن سے بنایا ہے۔ اور اس میں ایک غیر مرئی نور رکھا ہے چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے۔ کہ ادنیٰ مومن کا نور اگر ظاہر ہو جائے تو یہ چاند اور سورج سب ماند پڑ جائیں پھر اس کی یہ قدر دانی فرمائی کہ خود اس کا خریدار بنا پھر جو جس قدر اس سودے پر قائم رہا اس کو اتنا ہی انعام دیا۔ ابرار یعنی نیک لوگوں کو دنیا و آخرت میں اپنی رضا اور جنّت دی اور مقرّبین کا خود اپنا ہو گیا۔ جس کے مقابلہ میں ہزاروں جنتیں آنکھ اٹھا کر دیکھنے کے قابل نہیں۔ چنانچہ حسب مراتب عام مومنین میں اس وقت بھی عشق کی دبی ہوئی چنگاری اپنی کرامت دکھاتی ہے، کہ اس گئے گزرے دور میں ہزاروں ایمان دار اگرچہ بدعمل ہی ہوں اللہ اور رسول کے نام پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہیں چاہے دیگر ظاہری اعمال میں شیطان اور نفس کے غلبہ کی وجہ سے غفلت ہو اور وہ محبت کے تقاضوں کے مطابق زندگی نہ گزارتے ہوں۔

مگر جب ایمان سلامت ہے تو محبت کی چنگاری بھی ضرور سلامت ہے۔ کیونکہ ایمان کے لیے عشق لازم ہے، اور کامل ایمان کے لیے ایسا عشق ضروری ہے جو کہ اپنے ماں باپ اولاد اور نفس تک کے مقابلے پر ہر چیز سے زیادہ محبّت کا موجب ہوتا ہے۔

حدیث پاک یہ ہے:

لا یومن احدکم	تم میں سے اس وقت تک
حتیٰ اکون احب الیہ	کوئی مومن نہیں جب تک کہ
من والدہ وولدہ	میں اس کیلئے اسکے باپ اولاد
والناس اجمعین	اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن

جاؤں۔ (بخاری ومسلم)

سعادت مند لوگ اور سچّی محبّت

اور جو سعادت مند لوگ اس چنگاری کو پھونک مار مار کر سلگا لیتے ہیں اور اس جوہر کو ظاہر اور نمایاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یعنی حق تعالیٰ کی سچّی محبت اور صحیح عشق کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ جس سے انکی یہ محبت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ جس کے لئے ابتدا میں اپنے ایمان یعنی اعتقادات کی درستگی اور پھر اس کے تقاضے یعنی ارکان اسلام کی ادائیگی میں مشغول ہوتے ہیں پھر اسی ایمان و اسلام کی روح اور باطنی حقیقت کو حاصل کرنے کا فکر کرتے ہیں۔ جس کا تعلق قلب کی اصلاح سے ہے، اس کو اخلاص و یقین کہتے ہیں۔ چنانچہ اصلاح قلب کے متعلق حدیث پاک میں آیا ہے کہ:

" ان فی الجسد لمضغة اذا اصلحت صلح الجسد کلهٗ واذا فسدت فسد الجسد کلهٗ

یعنی قلب کی اصلاح پہ سارے جسم کی اصلاح موقوف ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ اصلاح قلب کے بعد جسم سے ظاہر ہونے والے جملہ اعمال باروح اور حقیقی ہوں گے اور فساد قلب کے ساتھ یہی عقائد و اعمال ظاہرہ بے مغز، بے روح اور کم قیمت ہوں گے۔

اصلاح قلب یا سلوک و احسان کا مسنون اور آسان مدلّل طریقہ اس رسالہ کے دوسرے حصہ یا رسالہ " فیض شیخ " میں ملاحظہ کرلیں۔ یہاں صرف سعادت مند اور سچّی محبت والوں کے مختلف احوال بیان کئے جائیں گے۔ تاکہ اس راستہ کی طلب ہو جانے کے بعد دوسرا حصہ جس میں اصلاح قلب کے طریقہ کی تفصیل ہے عمل کی نیّت سے مطالعہ کرلیا جائے۔ الحمدللہ اس وقت

بھی اس راستہ کے پیشوا حضرات موجود ہیں۔ اور لاکھوں اس راستہ کو طے کر رہے ہیں۔ اور ہزاروں اس دولت سے بقدر نصیب حصہ حاصل کئے ہوئے موجود ہیں۔ اس گروہ کو اولیاء اللہ کہا جاتا ہے جن کی شان میں ارشاد ہے:

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ہ الذین امنوا وکانوا یتقون ہ لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاخرۃ، لا تبدیل لکلمات اللہ، (سورہ یونس)	سُن لو اللہ کے ولیوں پر نہ کسی طرح کا خوف ہوتا ہے نہ ہی وہ کوئی غم رکھتے ہیں (یہ ولی وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور برابر اللہ سے) ڈرتے رہے انہی کے لئے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ جس کسی کو اس دولت سے حصہ ملا۔ وہ سب کے سب کمال کا درجہ حاصل کئے ہوئے ہیں۔ ہاں بقدر نصیب و استعداد حصّہ ضرور ملتا ہے اور روز بروز اس میں ترقی ہوتی رہتی ہے بشرطیکہ وہ اس مبارک راستہ پر قائم رہے اور جو اس مبارک راستہ کے نام سے کسی دوسرے راستہ پر چل رہا ہے چاہے راستہ کی رسومات اعمال و اشغال کا بھی پابند ہو مگر اس کا رُخ کسی دوسرے محبوب و مقصود کی طرف ہو اس کا یہاں ذکر نہیں۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اس راستہ کے چلنے والے سب خوش نصیبوں کی حالت اور نوعیت ایک ہی طرح کی ہوتی ہے۔ بلکہ یہ دولت عشق جس کو "تعلق مع اللہ" یا "نسبت" کہہ لیں مختلف رنگوں میں ظاہر ہوگی۔ جیسے ظاہری دولت کے مختلف مظاہر ہوتے ہیں۔ کہ کوئی تو زمین، باغات اور مولیشی رکھتا ہے۔ اور کوئی کارخانوں اور ملوں کا مالک

ہے۔ کوئی علوم و فنون میں مقامات حاصل کر کے عزت و جاہ کے بڑے بڑے عہدے حاصل کئے ہوئے ہے۔ اسی طرح باطنی دولت والے بھی مختلف قسموں اور مختلف مراتب کے مالک ہوتے ہیں یعنی "نسبت" کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ کہ کسی نسبت میں محبت و شوق اور وجد کا غلبہ ہوتا ہے۔ کسی میں خوف کا، کسی میں فنا کا اور کسی میں بقا کا لیکن اس اختلاف کے باوجود مقصود سب کا ایک ہی ہوتا ہے۔ کہ تعلق باللہ تعالیٰ جس کا نتیجہ بھی ایک ہی ہوتا ہے۔ کہ مالک و محبوب کو حاضر و موجود جان کر حیا و شرم کے ساتھ بندہ کا مطیع رہنا یعنی تقویٰ تواضع و عبادت کی رغبت اور معصیت سے نفرت کا ظہور ساری زندگی میں ظاہر ہوتا ہے

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

عشق کے ثمرات اور عشاق کے احوال

سعادت مند اور سچی محبت والوں کی مثال فرضی نہیں ہے۔ نہ ہی ایسے لوگ ناپید ہیں۔ گو نادر الوجود ہیں۔ کیونکہ محبت والے کے لئے ایسی خوشگوار اعلیٰ اور پر لطف حالت والی دنیوی زندگی۔ پھر ایسی ہی موت اور ایسی ہی آخرت دینے کا خود اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ ارشاد ہے:۔

"من عمل صالحاً من ذکرٍ او انثیٰ وھو مؤمن فلنحیینہ حیوۃً طیبۃً"

ترجمہ: جو بھی ایمان والا نیک عمل کرے خواہ مرد ہو خواہ عورت اُس کو ہم یقیناً خوشگوار زندگی دیں گے اور فرمایا سیجعل لھم الرحمٰن وُداً ترجمہ: رحمٰن تعالیٰ شانہٗ اس کو ضرور محبوبیت عطا فرمائیں گے۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ اللہ جل شانہٗ بغیر کسی مادی سبب اور وسائل کے فرشتوں کے ذریعے اس کی محبوبیت اور مقبولیت دنیا میں نازل فرما دیتے ہیں اس کے

علاوہ اللہ والے سچے بندے قسمیں کھا کھا کر اِن سعادت مند عشاق کے چین اور سکون کا اعلان کرتے ہیں۔ اور خود اللہ تعالیٰ نے جس کے قبضہ میں راحت اور سکون ہے۔ صاف صاف فرما دیا اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ۔ یعنی سُن لو راحت اور سکون صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہے (اور کہیں نہیں)

حضرت حافظ فرماتے ہیں۔

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے
ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے ہوئے
کہ یکدم باخدا بودن بہ از ملک سلیمانی

محبوب کی ایک جھلک اور اس کی معیت جس کا اشعار بالا میں ذکر ہے۔ عشاق کو ذکر اللہ سے حاصل ہو جانا حدیث پاک میں آیا ہے۔ جس کی تفصیل حصہ دوم میں انشاء اللہ آ رہی ہے۔

(۱) دنیا میں عشاق کی حکمرانی

دنیا میں کوئی کام ان عشاق کی مرضی کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اور ان کے دل کی گہرائی میں کسی قسم کی فکر اور پریشانی نہیں ہوتی۔ کھانے پینے رہنے سہنے اور دیگر معاملات زندگی میں جو لذت ان کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ کسی کو نہیں مل سکتی۔ کیا یہ کیفیت کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی حاصل ہو سکتی ہے۔؟ اس لئے باطنی آنکھوں والوں کے نزدیک ان کی شان بادشاہوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ ان کے ساتھ دلی عظمت و محبت سے پیش آتے ہیں۔ کہیں چلے جائیں۔ تو عوام و خواص صرف زیارت مصافحہ کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں اگر سلاطین کو اس دولت کی خبر ہو جائے جو ہمارے پاس ہے تو تلواریں لے کر ہم پر چڑھ آئیں کہ لاؤ ہمیں دو۔ واللہ ثم واللہ۔ یہی بات ہے۔ اس دولت کے سامنے سلطنت کی کوئی حقیقت نہیں (یہ صرف شاعرانہ باتیں نہیں بلکہ واقعات ہیں

جو دوسرے باب میں مدلّل بیان کئے گئے ہیں) یہ حالت عاشق کے ان ہی احوال کی وجہ سے ہوتی ہے ۔

۲ رذائل کا دُور ہونا آدمی کے دل میں بہت سے گندے مادے اور امراض مثلاً تکبر، حسد، بغض، کینہ حرص لالچ اور بخل وغیرہ کا ہونا مُسلّمہ امر ہے ۔ اور ان کی موجودگی ہی تمام پریشانیوں تکلیفوں اور دین و دنیا کی تباہی کا باعث ہے ۔ اور یہی امراض تعلق باللہ اور محبت الٰہی کے لئے حجابات ہیں جن کا خاتمہ عشق سے خود بخود ہی ہو جاتا ہے ؎

ہر کہ را جامہ ز عشقے چاک شد ۔۔۔ او ز حرص و عیب کلی پاک شد

اور عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما

اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما

اے تو افلاطون و جالینوس ما

؎ عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت

ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سُوخت

۴ مَعِیّت شدتِ عشق معیتِ الٰہی کا سبب بن جاتی ہے کیونکہ جذب کی قوت سے ظلمانی اور نورانی پردے جو مشاہدہ میں مانع تھے وہ چھٹ جاتے ہیں اور ـــــــ

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ۔ ۔۔۔ جو لوگ ہمارے راستہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھادیا کرتے ہیں ۔

کے مطابق اور کلمہ ـــــــــ

فاذکرونی اذکرکم — تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرونگا

اور حدیث قدسی میں ہے:

انا جلیس من ذکرنی۔ — یعنی میں ذکر کرنیوالے کا ہمنشین ہوں۔

(کما یلیق بشانہٖ) کے مطابق ضرور مشاہدہ جمال لایزال حضرت ذوالجلال کا میسّر آتا ہے۔ اور قرب معیّت کا رنگ جس کو وصال بھی کہتے ہیں ظاہر ہو جاتا ہے اور ہمکلامی اور سرگوشی کی نعمتیں بھی ہاتھ آجاتی ہیں۔ پریشانی..... الفت سے اور وحشت...... اُنسیّت سے بدل جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا بندے کو یاد کرنا اس کی طرف خصوصی رحمت اور بخشش سے متوجہ ہونا ہے جس کی وجہ سے یہ سب حاصل ہوتا ہے۔

④ فنائیت | اور پھر فنائیت کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اس کی مثال یہ سمجھئے کہ جس طرح لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈال دیتے ہیں۔ اور آگ کے شعلے بھڑک کر ہر طرف سے اس کو احاطہ کر لیتے ہیں۔ بلکہ آگ کے اجزاء لطیفہ بھی اس لوہے کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کی تشکل وصورت اور رنگ کو بھی اپنا جیسا بنا لیتے ہیں۔ اور سوزش و گرمی اور احراق (جلانا) جو آگ کی خاصیت ہے۔ وہ بھی اس لوہے کے ٹکڑے کو بخش دی جاتی ہے تو اس وقت وہ لوہے کا ٹکڑا آگ کے انگاروں کی شمار میں آجاتا ہے۔ لیکن نہ اس وجہ سے کہ وہ لوہا اپنی حقیقت کو چھوڑ کر خالص آگ بن گیا۔ کیونکہ یہ صراحتہً باطل ہے۔ بلکہ یہ ٹکڑا لوہا ہی ہے مگر آگ کے غلبہ کی وجہ سے اس کا لوہا ہونا اپنے آثار سمیت بالکل چھپ گیا۔ اور جو آثار واحکام آگ پر مرتب ہوتے ہیں۔ وہ اس لوہے کے ٹکڑے پر ظاہر ہو گئے لیکن

فی الحقیقت وہ ناری آثار اب بھی آگ ہی پر مرتب ہو رہے ہیں۔ جس نے لوہے کے ٹکڑے پر احاطہ کیا ہوا ہے گو ظاہر میں وہ آثار لوہے کے ٹکڑے کی طرف نسبت کئے جاتے ہیں۔ حدیث قدسی میں بندہ کے اس مقام کا ذکر آیا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے:

کنت سمعہ الذی یسمع بہٖ و بصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہٖ۔ (بخاری)

(اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب بندہ کو اسکی نفل نمازوں اور نفلی عبادتوں کی کثرت کی وجہ سے میں اپنے قرب کا مرتبہ عطا فرماتا ہوں تو) میں اسکا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔

اس مقام میں بعض وقت کرامات خوارق اور قوی تاثیریں ظاہر ہوتی ہیں۔ دعائیں قبول ہوتی ہیں اور بلائیں دور ہوتی ہیں چنانچہ اسی حدیث قدسی میں ہے۔ کہ اگر وہ بندہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرور اس کو دوں گا اگر مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں ضرور اسے پناہ دوں گا۔ مذکورہ بالا حدیث میں یہ بھی ہے:

من عادیٰ لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب۔

جس نے میرے ولی سے دشمنی کی تو میں اس سے اعلان جنگ کر دیتا ہوں۔

۵ وسعتِ ادراک

پھر جب اس عاشق کو یہ ترقی نصیب ہوتی ہے۔ تو اس کی وسعتِ ادراک کو بے حد فراخی حاصل ہو جاتی ہے اور "ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شئ علیم" کا راز سمجھ جاتا ہے ؎

جسم خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ بر رقص آمد و چالاک شد
عشق جان طور آمد عاشقا
طور مست و خرّ موسیٰ صعقا

۶ قبولیّت و مقبولیّت

اس کے بعد اور ترقی ہوتی ہے۔ اور سالک کو اور متعدد مقامات حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے شکر۔ شجاعت۔ سخاوت۔ توکل اور رضا وغیرہ اور نیک بندوں کے دلوں میں اس کی مقبولیّت نازل ہوتی ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے۔

اذا احب اللہ عبداً نادیٰ جبریل انی احب فلانا فاحبہ فیحبہ جبریل ثم ینادی فی السماء الیٰ ان قال حتیٰ یوضع لہ القبول فی الارض

جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اپنا دوست بنا لیتا ہے تو جبریل کو آواز دیتا ہے کہ اے جبریل میں فلاں بندہ کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اسے دوست رکھو پس جبریل اسے دوست رکھتے ہیں پھر جبریل یہی اعلان تمام آسمانوں میں کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ زمین میں بھی اسکے واسطے قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

⑦ عاشق کی دنیاوی زندگی

یہاں تک تو عشاق کے باطنی احوال بیان کیئے گئے۔ اب ان کی دنیاوی زندگی بیان ہوتی ہے۔ کہ وہ بھی دوسروں سے ہزار گنا اچھی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ تو سب کا ایمان ہے کہ دنیا و آخرت کا ایک ہی خدا ہے۔ اسی کے قبضہ میں دنیا بھی ہے اور آخرت بھی اگر وہ خوش ہو گیا تو پہلے وہ دنیا میں ہمیں چین و راحت اور سکون و اطمینان دے گا۔ پھر آخرت میں مزید انعامات سے نوازے گا۔ مگر افسوس اتنی سی بات کو بھی ہمارا دل پوری طرح نہیں مانتا۔ صرف اس لئے کہ اکثر و بیشتر یہ ہے کہ دنیا دار کامیاب اور اللہ کے عاشق ناکام نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ محض نظر کا دھوکا ہے۔ اس لئے ہم عشاق کی دنیاوی عیش دنیاوی عزّت و کامیابی کو عقلی طور پر بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ عقلی بات کو کمزور ایمان والا بھی مانتا ہے۔ ابھی تو ایمان کمزور ہے غیب پر یقین تو یقین کا درجہ حاصل ہونے کے بعد ہو گا۔ لیکن مشاہدہ پر یقین ہونا تو قدرتی بات ہے مگر اس مشاہدہ کی صورت و حقیقت اور اس کے ظاہر و باطن میں فرق کا ہونا ہر عقل والے کے نزدیک مسلم اور ضروری ہے بلکہ یہ فرق بھی مشاہدہ ہی کی طرح ہے اور اسی لحاظ سے ہم مشاہدہ کا معیار مقرر کرتے ہیں۔ مثلاً سراب سے سب لوگ واقف ہیں محض دیکھنے میں پانی ہے مگر حقیقت میں تپتی ہوئی خشک ریت ہوتی ہے۔ زہریلے جانور کے ڈسے ہوئے سُرخ اور پھُولے ہوئے جسم کو کوئی صحت مند نہیں کہتا۔ حالانکہ اس کا موٹاپا اور سرخی آنکھوں سے نظر آتی ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ دراصل اس کی وجہ مرض ہے اس لئے کہ سب کے نزدیک باطن اور حقیقت کا اعتبار کیا جاتا ہے اور اسے مریض ہی گنا جاتا ہے۔ اس کی سینکڑوں مثالیں ہو سکتی ہیں۔

اب عشاق کی دنیاوی زندگی پر عقلی طور پر غور کرو جن میں اکثر کی ظاہری حالت تنگی، بیماری، ناداری وغیرہ کی نظر آتی ہے۔ مگر وہ اپنے اندر عشق سے پیدا شدہ

حالات وکیفیات میں سرشار اور مگن ہوتے ہیں۔ پہلے ان کی قلبی اور ایمانی حالت کو ایک دفعہ پھر ذہن میں مستحضر کر لیں جس کی وجہ سے ان کی دنیاوی زندگی خوشگوار ہوتی ہے۔ اول یہ کہ محبت والا اپنے آقا ومحبوب کو یکتا و یگانہ اور موجود اور حسن وکمال میں بے مثال، نہایت احسان کرنے والا، بہت کریم وشفیق اور حکمت والا، محبت کرنے والا، محبت کو قبول کرنے والا سمجھتا ہے۔ اور اس کو اپنے ساتھ حاضر وناظر اور اپنے کاموں میں ایسا شریک کہ اصل میں وہی سب کچھ کرنے والا ہے۔ سمجھتا ہے اور یہ شخص دنیا وآخرت کے سارے چھوٹے بڑے کاموں میں تنہا اسی کو اپنا کارساز سمجھتا ہے اور کہتا ہے۔

کارساز ما بساز د کار ما
فکر ما در کار ما آزار ما

(۱) **عاشق کی عبادت کا درجہ** عاشق کو یقین ہوتا ہے کہ اس کا محبوب اس کو دیکھ رہا ہے۔ اس کی دعائیں سنتا ہے اور اس کی پکار سے خوش ہوتا ہے۔ اور ان دعاؤں کو اس طرح پورا کرتا ہے جس میں بندہ کا بھلا ہی بھلا ہو، اور اس محبوب بندہ کے مخالفوں اور دشمنوں سے ناراض ہوتا ہے اور ان سے خود اس کی طرف سے بدلہ لیتا ہے۔ اور اس بندہ کی عزت ومقبولیت مخلوق کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔

اس احسانی کیفیت کی وجہ سے اس کی تمام عبادات میں اخلاص کا وہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی عبادت نماز، روزہ، صدقات وغیرہ دوسروں سے لاکھوں گنا بڑھ جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں صحابہ کرام کے متعلق آیا ہے کہ ان کا ایک مد صدقہ بعد والوں کے اُحد کے برابر صدقہ سے بڑھ کر ہے۔ ور مشائخ کا ارشاد ہے کہ عارف (یعنی احسانی کیفیت والے) کی ایک رکعت غیر عارف کی لاکھ رکعت سے بڑھ کر ہے۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں۔

مثال کے طور پر یوں سمجھیں کہ ایک شخص راستہ میں کسی پیاسے کتے کو پانی پلا دیتا ہے۔ اور اسی طرح اتنا ہی پانی کسی بہت بڑے بادشاہ کو پیش کرتا ہے اور وہ بادشاہ اس غریب کا ہدیہ اپنے کرم سے قبول کر لیتا ہے۔ تو وہ بادشاہ اس کو یقیناً اپنی شان کے مطابق بہت بڑا انعام دے گا۔ چاہے کوئی جاگیر ہی دے دے۔ اب دیکھئے عمل تو دونوں جگہ ایک ہی ہے مگر جس کے لئے کیا گیا اسکی نسبت سے اس عمل کی یہ قیمت بڑھی۔ یعنی جس کے لئے کام کیا گیا اس کی بڑائی کے مطابق عمل کی قیمت ہو گی۔ مخلوق کتنی بھی بڑی ہو۔ مگر خالق جل شانہ کے مقابلہ میں کالعدم ہے۔ مالک و خالق کی بڑائی تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی، احسان و عرفان کی وجہ سے کام خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو گا تو اس کا اجر و ثواب بھی لاکھوں گنا سے زیادہ ہونا ہی چاہیئے، احسانی کیفیت کے بغیر پورا اخلاص حاصل نہیں ہوتا۔ کچھ نہ کچھ نفس اپنا حصہ لگا لیتا ہے۔ جس کی وجہ سے بعض اوقات وہ بالکل ہی قبول نہیں ہوتا۔ اور بعض وقت اجر بہت کم ملتا ہے ؎

سیر زاہد ہر شبے یک روزہ راہ
سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ

(ب) عاشق کے دل کی پاکیزگی محبت کی خاصیت کی وجہ سے اس کے دل کے اندر حسد، بغض، کینہ، تکبر وغیرہ کسی سے نہیں ہوتا وہ اپنی روزی صرف اپنے مالک کے ذمہ یقین کرتا ہے اور قناعت و توکل اختیار کئے ہوئے زندگی بسر کرتا ہے اور اس بارے میں بلکہ کل امور میں اپنی تدابیر کو محض مالک کا حکم سمجھ کر اختیار کرتا ہے۔ اپنے کام کو مالک کا کام سمجھتے ہوئے پورے فکر سے کرتا ہے لیکن کامیابی و ناکامی، نفع و نقصان مالک ہی کا سمجھتا ہے۔ خود اس بارے میں بے فکر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کے اختیار اور ذمہ میں نہیں۔ اب غور کرو کہ ایسے بندہ

کی زندگی کتنی بے فکری اور راحت کی زندگی ہوگی۔ یہ تو اس کے دل کی حالت ہوگی۔ لیکن جب تک دنیا میں ہے۔ جو کہ کدورت پریشانی اور دھوکہ کا گھر ہے۔ اس وقت تک اس بندہ کے ظاہر پر دنیا کی ان کدورات کیفیات واحکام کا اثر ضرور ہوگا جیسا کہ حجر اسود یقیناً جنّت کا پتھر ہے۔ جب دنیا میں آیا تو اس کے ظاہر نے دنیا کے اثرات کو قبول کیا۔ اور وہ اس وقت شکل وصورت میں دنیا کے دوسرے پتھروں کی طرح ہی دکھائی دیتا ہے۔ مگر اس کی حقیقت اور اعزاز یہ ہے کہ حدیث پاک میں اس کو یمین اللہ فرمایا گیا ہے۔ یعنی اس کو بوسہ دینا ایسا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کو بوسہ دینا مصافحہ کرنا۔ اس کو بوسہ دینا۔ پیار کرنا اس کی زیارت کرنا سب عبادت ہے جس سے اللہ کا قرب بڑھتا ہے اور آخرت میں اس کی آنکھیں بھی ہوں گی زبان بھی ہوگی۔ وہ اپنے بوسہ دینے والوں کی گواہی بھی دے گا، اور چونکہ جنت کا ہے جنّت ہی میں چلا جائے گا۔ جن حضرات کی باطنی آنکھیں ہیں وہ اس وقت بھی اس میں انوار وبرکات دیکھتے ہیں، اس کو بوسہ دے کر روتے ہیں۔ اور حج کے موقع پر تو اس کی کشش اور مقبولیت کا منظر قابل دید ہوتا ہے کہ عام مسلمان بھی اس پر اس طرح ٹوٹتے ہیں کہ ہجوم میں اپنی ہڈیاں پسلیاں توڑ لیتے ہیں مگر بوسہ دیکر خوشی سے سرشار ہوتے ہیں۔

اسی طرح محبت والا اللہ والا جو جنتی ہے اس وقت دنیا میں اس کے ظاہری حالات عام دنیاداروں ہی کی طرح کے ہوتے ہیں۔ کہ اس کو بیماریاں تنگیاں تکلیفیں سب پیش آتی ہیں مگر اس کے قلب پر اس کا اثر مطلق نہیں ہوتا۔ وہ ہر وقت مطمئن اور خوش رہتا ہے۔ مثلاً بیماری آئی تو اس کے جسم کو اتنی ہی تکلیف ہوگی جتنی دوسروں کو ہوتی ہے۔ لیکن دل مطمئن ہوتا ہے۔ عاشقِ مجازی ہی کے حال سے سمجھیں کہ کسی کو اپنے محبوب سے ملنے کی عرصہ سے تمنّا ہو اور کسی

دن وہ اچانک آکر بغل گیر ہو جائے۔ اور اتنا دبائے کہ پسلیاں ٹوٹنے لگیں اور عاشق تکلیف سے ہائے ہائے بھی کرنے لگے۔ تو اگر وہ محبوب پوچھے کہ آپ کو تکلیف ہوتی ہو تو چھوڑے دیتا ہوں۔ اور جو سامنے رقیب کھڑا ہے اس کو جا لپٹتا ہوں۔ وہ عاشق ہرگز ایک لمحہ کو بھی اسے گوارا نہ کرے گا بلکہ یہی کہے گا کہ بالکل تکلیف نہیں جتنا چاہے دبالو دل سرور سے مست ہے وہ تو یوں کہے گا۔

ے نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاکت تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

⁂

الفت میں برابر ہے جفا ہو کہ وفا ہو
ہر چیز میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو

اسی طرح بیماری کے وقت وہ سمجھتا ہے کہ یہ محبوب کی طرف سے آئی ہے اور ع

ہر چہ از دوست می رسد نیکوست

بلکہ گویا محبوب کنکریاں مار رہے ہیں۔ اور مجھے دیکھ رہے ہیں۔ وہ چاہیں تو فوراً دور کر دیں۔ مگر وہ اس وقت میرے ساتھ یہی معاملہ چاہ رہے ہیں۔ اس میں ان کو تو کوئی فائدہ نہیں۔ وہ تو غنی مطلق ہیں۔ یقیناً اس میں میرا ہی کوئی فائدہ ہو گا جس کا مجھے علم نہیں پھر اس فائدے کے علاوہ اس سے میرے گناہ بھی معاف ہوں گے مجھے اس کے بدلہ جنت کے درجات ملیں گے۔ اس کو اپنے محبوب کے سچے رسول اور حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بھی یاد ہے کہ "اہل بلا کو جنت میں جب ان بلاؤں کا بدلہ ملے گا تو وہ لوگ تمنا کریں گے جو دنیا میں عافیت میں رہے ہے کہ کاش ہمارے جسم دنیا میں قینچیوں سے

کاٹے جاتے"[1]

اب وہ محبوب کی رضا کے لئے اس کے حکم کے مطابق اس تکلیف کے بارے میں محبوب سے سرگوشی کرتا ہے، عاجزی سے باتیں کرتا ہے۔ کہ میں کمزور رہوں، تکلیف ہو رہی ہے۔ بے شک اس میں آپ کی مہربانی و لطف عیاں ہے اور میں آپ کی مہربانی کا محتاج بھی ہوں۔ تاہم اب آپ اپنے لطف کو صحت کی شکل میں عطا فرمائیں۔ اس کو یقین ہے کہ محبوب میری باتیں سُن کر خوش ہو رہے ہیں اور قبول فرما رہے ہیں۔ اگر فوراً آرام نہیں ہوتا۔ تو یقین کرتا ہے کہ ابھی اس حالت میں رہنا ہی میرے لئے مصلحت ہے۔ مگر میری درخواست بیکار نہیں۔ صحت کی بجائے کوئی اور نعمت ملے گی۔ اور عاشق کے لئے سب سے بڑی نعمت تو یہی ہے کہ محبوب سے راز و نیاز کی اور باتیں کرنے کی اجازت اس بہانے سے ملی ہوئی ہے۔ اور اس طرح دل کی گہرائی سے باتیں کرنا (کہ اس گفتگو سے محبوب بہت خوش ہوتے ہیں) بغیر تکلیف کے نصیب نہ ہوتا ؎

اپنے دیوانوں کی فریاد سے خوش ہوتے ہیں
پس دیوار کھڑے سنتے ہیں شیون انکا

؎

نالے کرتا جو میں پھرتا ہوں تو خوش ہوتے ہیں
خوش وہ اس پر ہیں کہ شہرت مری ہر سو ہو جائے

نیز گو وہ بیماری کے ازالہ کے لئے دل سے دعائیں کرتا ہے۔ لیکن دعاؤں کا اصلی مقصد بندگی اور دعا ہی ہے یعنی محبوب کی خوشامد، عاجزی، ہاتھ جوڑنا اپنی

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص۱۳۷

احتیاج ظاہر کرنا، رونا وغیرہ لیکن قلب کے اندر بیماری کے دور ہونے نہ ہونے پر کوئی التفات نہیں بلکہ ہر حال میں خوش ہے۔

(ج) **عاشق کے دوا کرنے کی حقیقت** اسی طرح حکم سمجھ کر دوا علاج کی تدابیر بھی کرتا ہے کہ اس میں بھی اپنی عبدیت کا اظہار اور سنت پر عمل کرنے کا ذوق ہی کارفرما ہے۔ ورنہ وہ تو شافی مطلق اور حقیقت میں شفا دینے والا اپنے محبوب ہی کو سمجھتا ہے۔ اس لئے جب دوا سے شفا نہیں ہوتی تو پریشان نہیں ہوتا اور نہ ہی معالج پر غصہ ہوتا ہے بلکہ سمجھتا ہے کہ میرے محبوب کی اسوقت یہی مرضی ہے کہ مجھے یہ تکلیف رہے۔ اس سے میرا تزکیہ ہو، میرے مراتب بلند ہوں، اور جب شفا میں میرا فائدہ ہوگا تو شفا بھی وہی دیں گے۔

دردا زیار است درماں نیز ہم
دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

جو لوگ عبد اور معبود کے تعلقات کو نہیں جانتے۔ خالق کون و مکان جل مجدہ کے عادات سے ناواقف ہیں۔ ان کو یہ پتہ نہیں کہ مخلصین و عارفین و کاملین پر بلائیں اور مصیبتیں کیوں آتی ہیں۔ اس عقدہ کو حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کوئی نہ کھول سکتا۔ درحقیقت بات یہ ہے کہ باوجود بہت زیادہ عابد و زاہد اور محسن و مخلص ہونے کے جو خطائیں اور لغزشیں ہو جاتی ہیں ان کا کفارہ فرمانے کے لئے اور بلند درجات عطا فرمانے کے لئے ان کو طرح طرح سے تکلیفوں میں ڈالا جاتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "ثواب کی بڑائی مصیبت کی بڑائی کے ساتھ ہے اور بلاشبہ اللہ عزوجل جب کسی جماعت سے محبت فرماتے ہیں۔ تو ان کو تکلیفوں میں مبتلا فرما دیتے ہیں۔ پھر جو شخص اللہ کی قضاء (یعنی فیصلہ) پر راضی رہا اس کے لئے اللہ کی

رضا ہے اور جو ناراض ہو اس کے لئے ناراضگی ہے۔"

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔

"کہ مومن مرد اور عورت کو اس کی جان اور مال میں تکلیف پہنچتی رہتی ہے۔ اور اس طرح وہ تکلیفیں اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرتا ہے۔ کہ اس کا کوئی گناہ بھی باقی نہیں رہتا۔" (یہ دونوں حدیثیں سنن ترمذی میں ہیں)

ایک اور حدیث میں ہے:

"کہ حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلا شبہ بندہ کے لئے جب کوئی مرتبہ اللہ کے علم اور تقدیر میں مقرر ہوتا ہے جس پر وہ اپنے عمل سے نہیں پہنچتا تو اللہ تعالیٰ شانہ' اس کی جان یا مال یا اولاد میں دُکھ تکلیف اور نقصان بھیج کر مبتلا فرما دیتے ہیں پھر اس کو اس پر صبر بھی دے دیتے ہیں یہاں تک کہ اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے جو اس کے لئے مقرر اور مقدر ہے (احمد اور ابوداؤد)

احادیث بالا سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کو مصائب کبھی تو لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کرانے اور ان کے تزکیہ کے لئے آتے ہیں۔ اور کبھی انکا سبب ان کی کوئی لغزش نہیں ہوتی۔ بلکہ درجات کی بلندی کے لئے تکلیفوں میں ڈالا جاتا ہے یہی حال ان حضرات کے استغفار کا ہوتا ہے کہ اس سے انکی لغزشیں معاف ہوتی ہیں۔ اور اگر کوئی لغزش نہ ہو تو درجات بلند ہوتے ہیں حضرات انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا پیارا کوئی بھی نہیں۔ اہلسنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ مگر مصائب ان ہی پر زیادہ آتی رہے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون لوگ سب سے زیادہ تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا۔ "حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا ابتلاء سب سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔ ان کے بعد جو جس

قدر دینی اعتبار سے افضل ہوگا۔" یعنی اپنی حیثیت، برداشت اور حکمت کے مطابق تکلیفوں میں مبتلا کیا جائے گا۔ اس حقیقت کو جو احادیث بالا میں بیان کی گئی ہے نہ سمجھنے کی بنا پر انبیاء علیہم السلام کے مصائب کی وجہ کوئی نہ کوئی گناہ سوچ کر تجویز کرنا گمراہی اور جہالت ہے۔ ان ہی بے وقوف لوگوں کے نزدیک تنگدست اور دنیادی شان و شوکت نہ رکھنے والے اولیاء اللہ اور دینداروں کی کوئی قدر نہیں۔ حالانکہ وہ حضرات اس دنیا میں بھی ان احمق متکبّروں سے زیادہ پُرسکون، مطمئن اور معزز ہوتے ہیں۔

حقیقتاً ایک دیندار کے لئے اصل عزّت اللہ تعالیٰ کے یہاں کی عزت ہے۔ دنیا اور دنیا والوں کے نزدیک اگر ذلت ہوئی تو کیا اور کے دن کی ؎

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکین
وہ نہ سمجھیں کہ مری بزم کے قابل نہ رہا

حضرات عارفین چونکہ ان باتوں کو جانتے ہیں۔ اس لئے ہر مصیبت کو اپنے لئے نعمت سمجھتے ہیں۔ اور ساتھ ہی دفع ہونے کی دعا بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت ہے۔

ایک مرتبہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجلس میں ارشاد فرمارہے تھے کہ مرض بھی نعمت ہے۔ اور صحت بھی نعمت ہے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک عورت نے آکر عرض کیا کہ میرا بچّہ بہت تکلیف میں ہے صحت کے لئے دعا فرمائیں۔ حاضرین کے دل میں خیال گزرا کہ دیکھئے اب کیا دعا فرماتے ہیں ابھی تو مصیبت کو نعمت فرمارہے ہیں ازالۂ نعمت کی دعا کیسے کریں گے۔ آپ نے ہاتھ اٹھاکر عرض کیا۔ کہ بار الہا! صحت و مرض دونوں تیری نعمتیں ہیں لیکن تکلیف والی نعمت کی ہم کو سہار نہیں ہے۔ لہذا اس مرض والی نعمت کو صحت والی نعمت سے بدل دے۔

(د) محبت کی لذتیں

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے ملفوظات میں ہے، فرمایا جیسے پیٹ کی غذا الگ ہے ماکولات ومشروبات، اور آنکھ کی غذا الگ ہے۔ مبصرات، اور کان کی غذا الگ ہے۔ مسموعات اس طرح دل کی ایک غذا ہے۔ دل کی غذا محبت کے سوا کچھ نہیں۔ دل کو اس میں لذت آتی ہے۔ پھر جس کا محبوب ناقص ہو اس کی لذت بھی ناقص ہوگی۔ اور جس کا محبوب ایسا کامل ہو کہ اس سے زیادہ کوئی محبوب نہ ہو۔ اس کی لذت سب سے زیادہ ہوگی۔ ایمان کامل اور عمل صالح اختیار کرنے پر دنیا ہی میں غذائے روحانی (حق تعالیٰ کی محبت کامل) عطا ہوگی جس سے زیادہ دل کی کوئی غذا نہیں۔ کیونکہ یقیناً غذائے جسمانی سے غذائے روحانی افضل والذّ (زیادہ لذیذ) ہے۔ اس لئے تمام اسبابِ نعیم (نعمتوں کے اسباب) سے اصل مقصود راحت قلب ہے جو غذائے جسمانی سے بواسطہ حاصل ہوتی ہے اور غذائے روحانی سے بلا واسطہ پھر کمال یہ کہ اس دستر خوان پہ مختلف غذائیں ہیں کبھی تم محب ہو حق تعالیٰ محبوب پھر حق تعالیٰ محب اور تم محبوب اس کی لذت اور ہی کچھ ہے۔ پھر خلق کو تم سے محبت ہو جاتی ہے۔ اس میں کچھ اور ہی حظ ہے ان مختلف اقسام سے لذت بہت ہی بڑھ جاتی ہے۔" انتہیٰ

باقی سب راحت وسکون کے سامان صرف نقشے ہیں۔ ان میں راحت مطلق نہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ابھی ہمارا ایمان کمزور ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے ارشادات کو بھی ہم اوپرے دل سے مانتے ہیں۔ یقین کا درجہ نہیں۔ اس لئے عملاً ہم جس طرح چین وراحت کو حاصل کرنے کے لئے انکے دنیاوی نقشوں میں محنت وکوشش کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں۔ اس طرح کی دلی کوشش اس محبت کے راستہ میں نہیں کرتے وجہ ظاہر ہے کہ اپنے مشاہدہ پر زیادہ یقین ہے۔ لہٰذا اب آپ خود امتحان کر لیجئے۔ اس طرح کہ جن اولیاء اللہ

کی یہ حالت ہے کچھ دن ان کے پاس رہ کر دیکھئے تو میرے دعوٰی کا یقین آجائے گا۔ چونکہ اندر کا اور دائمی حال دیکھنا ہے۔ اس لئے سرسری مشاہدہ اور دو چار دن کافی نہ ہوں گے۔ اس کام کے لئے چند ماہ خالی کیجئے کچھ عرصہ دنیا کے متمول لوگوں کے پاس جا کر رہئے اور کچھ عرصہ اللہ والوں کے پاس۔ ان دونوں کی اندرونی حالت کی تفتیش کیجئے کہ کس کی زندگی کس طرح گزرتی ہے۔ واللہ آپ جنت و دوزخ کا فرق پائیں گے۔ کیونکہ راحت و سرور کے اگرچہ مظاہر مختلف ہیں۔ لیکن حقیقی سرور و راحت محبوب کے مشاہدہ اور قرب میں مضمر ہے۔ اسی طرح مظاہر عذاب و تکالیف کے اگرچہ مختلف ہیں لیکن حقیقی عذاب محبوب سے حجاب اور محرومی ہے۔ اور حقیقی نعیم اس ذات کریم کی طرف نظر کرنا ہے اسلیئے کہ مدار تکلیف اور راحت کا قلب پر ہے۔ محب کے قلب میں وہ دولت ہے کہ اگر اس شخص کو یہ کہا جائے کہ دنیا کی ہر راحت تجھے دیتے ہیں اور تیرے مصائب کو دور کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ دولت باطنی ہم کو دے دو۔ وہ اس تبادلہ پر ہرگز تیار نہ ہوگا۔ پس اصل دولت اور اصل چین و سرور اس کی ذات کریم کا مشاہدہ ہے ؎

با تو دوزخ جنت است اے دلربا
بے تو جنت دوزخ است اے دل فزا

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کا بائیکاٹ کروایا ہوا تھا کوئی ان سے بات نہیں کرتا تھا۔ ان کی بیوی بھی ان سے جدا کروادی تھی۔ غرض زمین ان پر اپنی وسعت کے باوجود تنگ تھی۔ اسی حالت میں ان کے پاس شاہ غسان کا خط آیا کہ تمہارے سردار نے تم کو ذلیل کر رکھا ہے۔ تم ہمارے پاس چلے آؤ ہم تم کو عزت دیں گے اُن کو خط پڑھ کر اتنا رنج ہوا کہ خط کو ان کے سامنے تنور میں ڈال دیا اور زبانِ

حال سے فرمایا ؎

تیرے مہرنالوں انہاں دا قہر چنگا
جہنے ڈبیاں بیڑیاں تاریاں نے

اسلام کے لئے سب کچھ قربان کرنے والے اور اسلام کی خاطر سب کچھ برداشت کرنے والے تو آجکل بھی بہت ہیں اور عوام میں موجود ہیں مگر محض فضیلت کو بھی بڑی سے بڑی قیمت پر نہ چھوڑنے والے حضرات بھی ہمارے اس دور میں موجود ہیں۔ چنانچہ یہ حضرات بہت تھوڑی تنخواہ پر مدارس میں خدمتِ دین کرتے ہیں۔ جب کبھی ان کو سرکاری مدارس میں جہاں کام کرنے کو دنا اپنے مدرسہ میں کام کرنے سے افضل نہیں سمجھتے۔ علم دین ہی پڑھانے کے لئے بڑی بڑی تنخواہوں پر بلایا گیا تو انہوں نے بے تکلفی سے انکار کر دیا۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ کی ابتدا میں جب مدرسہ مظاہر العلوم میں تنخواہ پندرہ روپے تھی تو علی گڑھ میں تین سو روپے تنخواہ کی پیشکش ہوئی اور حیدرآباد سے آٹھ سو روپے ماہوار کی پیشکش ہوئی مع قیام کے لئے مفت کوٹھی اور کہیں آنے جانے کے لیے مفت کار مع ڈرائیور اور پٹرول خرچ وغیرہ کے اور حدیث پاک ہی کی خدمت کے لئے ہوئی۔ مگر حضرت نے صاف انکار فرما دیا کہ مدرسہ مظاہر العلوم میں دینی خدمت ان کے نزدیک زیادہ افضل تھی۔ پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ سے بارہ سو روپے ماہوار کی بہت پرزور پیشکش ہوئی تقاضوں کے طویل خط کے علاوہ جواب کے لئے ارجنٹ تار آئے۔ تو حضرت نے ایک کارڈ پر بغیر القاب و آداب کے صرف یہ مصرعہ لکھ دیا ع

مجھ کو جینا ہی نہیں منۃ احسان ہو کر

یہ عشق ہی تھا کہ تھوڑی سی فضیلت کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ اور یہ حضرت والا کا ابتدائی دور تھا بعد کو تو یہ مقام ملا کہ کوئی اس قسم کی بات کرنے کی ان کے

سامنے جرأت ہی نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم سے پہلے ہمارے اکابر مثلاً حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کے اسی طرح کے واقعات ارواح ثلثہ میں لکھے ہیں۔

دنیاوی زندگی کا آخری مرحلہ اور عاشق کو محبوب کی طرف سے بشارت

یہ سب انعامات تو عاشق کو دنیا میں ملتے ہیں پھر جب آخرت کا سفر شروع ہوتا ہے تو جان نکلنے کا انتہائی سخت معاملہ اس کے ساتھ انتہائی آسان طور پر یوں ہوتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنّتی۔

"یعنی اے وہ شخص جس نے (اللہ تعالیٰ کے ذکر سے) چین پکڑ لیا ہے۔ اپنے رب کی طرف چل اس حال میں تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی پھر شامل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنّت میں"۔ کیسی مزے کی بات ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے راضی اور اللہ تم سے راضی۔ رضی اللہ عنہم ورضوعنہ والی آیت میں تو اپنی خوشی کو مقدم فرمایا تھا اور اب چل چلاؤ کا وقت ہے تو بندہ کی خوشی کو مقدم فرمایا ہے۔ جس میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ اب تک تو میری مرضی کے تابع تھا اور اپنی خوشی کو میری خوشی پر قربان کرتا تھا۔ اب عالم بدل رہا ہے۔ اب صرف تیری خوشی رہے گی۔ اب تجھے اتنا دوں گا کہ تیری خوشی تھک جائے گی مگر میری عطا دینے سے نہیں تھکے گی۔

دیکھئے بہت سے لوگ لاکھ لاکھ روپے اور کیا کیا خوشامدیں حکّام کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ تو کیا حاکم حقیقی محبوب حقیقی کارساز حقیقی ہی

کی خاطر کچھ نہ کیا جائے؟

عاشق کی موت کا منظر

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جب کسی بندہ سے خوش ہوتے ہیں۔ تو ملک الموت سے فرماتے ہیں۔ کہ فلاں بندہ کی روح لے آؤ تاکہ میں اس کو راحت و آرام پہنچاؤں۔ اس کا امتحان ہو چکا ہے۔ میں جیسا چاہتا تھا وہ ویسا ہی کامیاب و کامران نکلا۔ ملک الموت اس کے پاس آتے ہیں (نہایت خوبصورت جوان کی شکل میں نہایت لطیف لباس پہنے ہوئے۔ خوشبوئیں ان کے جسم و لباس سے مہکتی ہوئیں) اور پانچ سو فرشتے انکے جلو میں ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر فرشتہ اُس شخص کو ایک ایسی خوشخبری سناتا ہے جو دوسرں نے نہ دی ہو۔ ان کے پاس ریحان کی ٹہنیاں اور زعفران کی جڑیں ہوتی ہیں۔ وہ سب دو قطاروں میں صف بنا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ملک الموت سے فرماتے ہیں کہ میرے فلاں ولی کے پاس جاؤ اور اس کی روح لے آؤ میں نے اس کا خوشی اور غمی دونوں میں امتحان لے لیا وہ ایسا ہی نکلا جیسا میں چاہتا تھا۔ اس کو لے آؤ تاکہ دنیا کی مشقتوں سے اس کو راحت مل جائے۔ ملک الموت پانچسو فرشتوں کی جماعت کے ساتھ اس کے پاس آتے ہیں۔ ان سب کے پاس جنّت کے کفن ہوتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں ریحان کے گلدستے ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک گلدستہ میں بیس رنگ کے پھول ہوتے ہیں، اور ہر رنگ کے پھول میں نئی خوشبو ہوتی ہے اور ایک سفید ریشمی رومال میں مہکتا ہوا مشک ہوتا ہے۔ ملک الموت اس کے سرہانے بیٹھتے ہیں اور فرشتے اس کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور اس کے ہر عضو پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہیں اور یہ مشک والا رومال اس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھتے ہیں۔ اور جنت کا دروازہ

اس کے سامنے کھول دیتے ہیں۔ اس کے دل کو جنت کی نئی نئی چیزوں سے بہلایا جاتا ہے۔ جیسا کہ بچہ کو رونے کے وقت اس کے گھر والے مختلف چیزوں سے بہلایا کرتے ہیں۔ کبھی جنت کی حوریں سامنے کر دی جاتی ہیں۔ کبھی وہاں کے پھل کبھی عمدہ عمدہ لباس غرض مختلف چیزیں اس کے سامنے کی جاتی ہیں۔ اس کی حوریں خوشی سے کودنے اچھلنے لگتی ہیں ان سب منظروں کو دیکھ اس کی روح بدن میں پھڑکنے لگتی ہے۔ اور ملک الموت اس سے کہتا ہے۔

اے مبارک روح چل ایسی بیریوں کی طرف جس میں کانٹا نہیں اور ایسے کیلوں کی طرف جو تہہ بتہہ لگے ہوئے ہیں اور ایسے سایہ کی طرف جو نہایت گھنا اور وسیع ہے اور لطیف پانی کے چشمے بہہ رہے ہیں۔

یہ صرف چند منظروں کی طرف اشارہ ہے جو قرآن پاک کی سورہ واقعہ کی آیات شریفہ میں ذکر کی گئی ہیں۔ اور ملک الموت ایسی نرمی سے بات کرتا ہے جیسا کہ ماں اپنے بچّہ سے پیار سے باتیں کرتی ہے۔ صرف اس لئے کہ اس کو یہ بات معلوم ہے کہ یہ روح حق تعالیٰ کے ہاں مقرّب ہے۔ فرشتے اس روح کیساتھ اس مہر و محبّت اور لطف سے اس لئے پیش آتے ہیں کہ حق تعالیٰ ان فرشتوں سے خوش ہوں۔ وہ روح بدن سے ایسی سہولت سے نکلتی ہے جیسے آٹے میں سے بال نکل جاتا ہے جب روح نکل جاتی ہے تو فرشتے اس کو سلام کرتے ہیں۔ اور جنت میں داخل ہونے کی بشارت دیتے ہیں۔ جس کو قرآن پاک کی سورہ "نحل" میں ذکر فرمایا ہے اور اگر وہ مقرب بندوں میں ہوتا ہے تو سورہ واقعہ میں اس کے متعلق ارشاد ہے۔ "فروح وریحان وجنۃ نعیم"

اس کے بعد وہ پانچ سو فرشتے میّت کے پاس جمع ہو جاتے ہیں۔ اور جب نہلانے والا اس کو کروٹ دیتا ہے تو فرشتے فوراً اس کو کروٹ دینے لگتے ہیں۔ اور جب کفن پہناتا ہے تو وہ اپنا جنت سے لایا ہوا کفن اسے پہلے پہنا دیتے ہیں۔

وہ خوشبو لگاتا ہے۔ تو فرشتے پہلے اپنی لائی ہوئی خوشبو مل دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اس کے دروازے سے قبر تک دونوں جانب قطار لگا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کے جنازہ کا دعا و استغفار کے ساتھ استقبال کرتے ہیں۔

یہ سارے منظر دیکھ کر شیطان اس قدر زور زور سے روتا ہے کہ اس کی ہڈیاں ٹوٹنے لگتی ہیں۔ اور اپنے لشکروں سے کہتا ہے تمہارا ناس ہو تم سے کس طرح چھوٹ گیا۔ وہ کہتے ہیں گناہوں سے محفوظ تھا۔ اسکے بعد جب ملک الموت اس کی روح لے کر اوپر جاتے ہیں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ اس کا استقبال کرتے ہیں۔ یہ فرشتے حق تعالیٰ کی طرف سے بشارتیں دیتے ہیں اس کے بعد جب ملک الموت اس کو لے کر عرش تک جاتے ہیں تو وہ روح وہاں پہنچ کر سجدہ میں گر جاتی ہے حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہوتا ہے کہ بندہ کی روح کو " فی سدر مخضود وطلح منضود " میں پہنچا دو۔

عاشق کی قبر کے اندر کا منظر

اور جب اس کی نعش قبر میں رکھی جاتی ہے تو اس کی نماز اس کی دائیں طرف کھڑی ہو جاتی ہے۔ اور روزہ بائیں طرف کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے جو قدم اٹھائے تھے وہ پاؤں کی طرف کھڑے ہو جاتے ہیں، اور مصائب پر صبر اور گناہوں سے دور رہنے کی پابندیوں پر صبر، قبر کی ایک جانب کھڑے ہو جاتے ہیں اسکے بعد عذاب اس میت کی قبر میں اپنی گردن نکالتا ہے اور مردہ تک پہنچنا چاہتا ہے تو وہ اگر دائیں طرف سے آنا چاہتا ہے تو نماز اس کو کہتی ہے کہ پرے ہٹ خدا کی قسم ہمیشہ مشقت اٹھاتا رہا ہے ابھی ذرا راحت سے سویا ہے، پھر وہ بائیں طرف سے آتا ہے تو تلاوۃ و ذکر اس کو روک دیتے ہیں۔ کہ ادھر سے تیرا راستہ نہیں۔ غرض وہ جس جانب سے

قریب جانا چاہتا ہے۔ اس کو راستہ نہیں ملتا۔ اس لئے کہ اللہ کے ولی کو ہر جانب سے عبادتوں نے گھیر رکھا ہے وہ عذاب عاجز ہو کر واپس چلا جاتا ہے اس کے بعد صبر جو ایک کونہ میں کھڑا تھا۔ ان عبادتوں سے کہتا ہے کہ میں اس انتظار میں تھا کہ اگر کسی جانب کمزوری (عبادت میں کسی قسم کی کمزوری) ہو تو میں اس جانب مزاحمت کروں گا۔ مگر الحمد للہ تم سب نے مل کر اس کو دفع کر دیا۔ اب میں محشر کی ترازو میں اعمال کے تلنے کے وقت اس کے کام آؤں گا۔ اس کے بعد دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں۔ جن کی آنکھیں بجلی کی طرح چمکتی ہوتی ہیں اور آواز بادلوں کی طرح گرجدار ہوتی ہے۔ انکے دانتوں کی کچلیاں گائے کے سینگوں کیطرح نکیلی ہوتی ہیں۔ ان کے منہ سے سانس کے ساتھ آگ کی لپٹیں نکلتی ہیں بال اتنے لمبے کہ پاؤں تک لٹکے ہوئے۔ نرمی گویا ان کے پاس سے بھی نہیں گزری ان کو "منکر نکیر" کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک بھاری گرز یعنی ہتھوڑا ہوتا ہے۔ وہ مُردہ سے کہتے ہیں بیٹھ جا، مُردہ ایک دم بیٹھ جاتا ہے اور کفن اس کے سر سے نیچے سرک کر کمر تک آجاتا ہے وہ سوال کرتے ہیں تیرا ربّ کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرے نبی کا کیا نام ہے؟ وہ مُردہ کہتا ہے میرا ربّ اللہ جلّ شانہٗ ہے۔ میرا دین مذہب اسلام ہے۔ میرے نبی محمدؐ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ وہ دونوں کہتے ہیں تم نے صحیح جواب دیا ہے۔ اس کے بعد وہ قبر کی دیواروں کو سب طرف سے ہٹا دیتے ہیں۔ جس سے وہ کھل جاتی ہے۔ دائیں بائیں سرہانے، پائنتی چاروں طرف سے بہت وسیع ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں اوپر سر اٹھاؤ، مُردہ جب سر اٹھاتا ہے تو اس کو ایک دروازہ نظر آتا ہے۔ جس میں سے جنت نظر آتی ہے۔ وہ کہتے ہیں اے اللہ کے دوست وہ جگہ تمہارے ہمیشہ رہنے کی ہے۔ اس وجہ سے

کہ تم نے اللہ کی عبادت و طاعت میں زندگی بسر کی ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس میت کو اس وقت ایسی خوشی ہوتی ہے جو کبھی نہ لوٹے گی اس کے بعد وہ فرشتے کہتے ہیں کہ پاؤں کی طرف دیکھو، وہ دیکھتا ہے تو جہنم کا ایک دروازہ نظر آتا ہے وہ فرشتے کہتے ہیں اے اللہ کے ولی تم نے اس دروازے سے نجات پائی اس وقت بھی مُردہ کو اس قدر خوشی ہوتی ہے جو کبھی نہ لوٹے گی۔ اس کے بعد اس قبر میں ستّر دروازے جنّت کی طرف سے کھل جاتے ہیں، اور قبر خوب کشادہ ہو جاتی ہے۔ جنّت کی ٹھنڈی ہوائیں اور خوشبوئیں قبر میں آتی رہتی ہیں۔ اور قیامت تک یہی کیفیت باقی رہتی ہے (قبر میں مذکورہ حالات عالم برزخ میں گزرتے ہیں عالم برزخ کے حالات عقلی طور پر سمجھنے کے لئے عالم برزخ کو سمجھنا چاہیئے)

عالم برزخ کی مختصر وضاحت

مرنے کے بعد تین منزلیں آنے والی ہیں۔ پہلی منزل مرنے کے وقت سے لے کر قیامت تک کی ہے۔ اس کو عالم برزخ کہتے ہیں۔ مرنے کے بعد آدمی کا مادی جسم چاہے زمین میں دفن کیا جائے اور گل سڑ کر مٹی میں مل جائے چاہے جلا کر راکھ کر دیا جائے چاہے سمندر میں ڈوب جائے اور سمندر کی مچھلیاں اسے کھا جائیں، چاہے جنگل کے آدم خور درندہ اور پرندے اس کی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھا جائیں۔ لیکن اس کا مثالی جسم اور روح کسی صورت میں فنا نہیں ہوتی صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ ہماری اس دنیا سے منتقل ہو کر ایک دوسرے عالم میں چلی جاتی ہے۔ جو ہم سے غائب ہے۔ صرف صحیح حدیثوں اور سچّی خبروں کی وجہ سے ہمارا اُس عالم پر ایمان ہے مرنے والے پر عذاب اور ثواب اسی عالم میں ہوتا ہے ہم کو اگرچہ وہ عذاب یا ثواب محسوس نہیں ہوتا

جیسا کہ سونے والے پر عالم خواب میں راحت و تکلیف وغیرہ کے مختلف معاملات پیش آتے ہیں۔ اور اس کے پاس جاگنے والے کو کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا۔

عالم مثال اور اجسام مثالیہ

جیسا ہمارا مادی اور گوشت پوست کا جسم ہے۔ ہو بہو بالکل ایسا ہی ایک مثالی جسم ہے۔ یوں سمجھئے جیسے ہم کسی قد آدم آئینہ کے سامنے یا آئینہ خانہ (شیش محل) میں کھڑے ہوں تو اس آئینہ یا آئینہ خانہ میں ہمارا عکس پڑتا ہے۔ اور بعینہ اس جسم مادی کی مثال ہمارے سامنے ہوتی ہے۔ ہمارے اعضا کی تمام تر حرکات و سکنات اور مسرت و خوشی یا غم و اندوہ کی تمام جسمانی و روحانی کیفیات اس عکس میں نمایاں ہوتی ہیں۔ ہم کو آواز سنائی نہیں دیتی۔ عارفین (ارباب باطن) اور اہل اللہ آوازیں بھی سنتے ہیں۔ یہ صرف سمجھنے سمجھانے کے لئے ایک مثال ہے ورنہ درحقیقت وہ عالم مثال ہی اصل ہے۔ اور ہمارا یہ جسم مادی اس کا عکس ہے۔ والعلم عند اللہ۔

عاشق میدان حشر میں اور جنت کا منظر

اس کے بعد قیامت اور حشر کا میدان ہوگا۔ اس میں بھی ان حضرات عشاق کے ساتھ خصوصی اعزازات ہوں گے مثلاً اتنے سخت دن میں کہ آفتاب سوا نیزے پر ہوگا۔ اور مخلوق پسینہ میں غرق ہوگی ان حضرات کا عرش کے سایہ میں مزے کرنا اور پھر بلا حساب و کتاب جنت میں داخل ہونا۔

عشاق کا پل صراط سے گزرنا

مثنوی شریف میں لکھا ہے کہ عشاق جب پل صراط سے گزر کر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ تو فرشتوں سے پوچھیں گے۔ کہ اے فرشتو پل صراط تو جہنم کے اوپر لگائی گئی تھی۔ اور ہر شخص کو جہنم کے اوپر سے گزرنا تھا لیکن ہم نے تو وہ

جہنم دیکھی تک نہیں۔ اس پر فرشتے یاد دلائیں گے کہ راستہ میں جو فلاں رنگ کے پھولوں والا باغ تھا جہاں خوشبودار ٹھنڈی ہوا آرہی تھی وہی جہنم تھی۔ تم لوگوں نے چونکہ دنیا میں اپنے ملکات بدل دیئے تھے یعنی غصہ کو حلم سے شہوت کی آگ کو عفت سے بخل کو سخاوت سے علی ہذا القیاس اپنے تمام بشری ناری ملکوت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نور سے بدل لیا تھا اس مالک کائنات نے بھی اپنے غضب یعنی جہنم کی آگ کو تمہارے لئے گلزار بنادیا۔

جنّت میں رہنے کی تفصیلات

پھر جنّت میں جس طرح ہمیشہ رہنا ہوگا۔ اس کی بطور نمونہ کچھ تفصیل قرآن پاک کی چند آیات میں اس طرح بیان کی گئی ہے: "بے شک نیک لوگ جنت کی بڑی نعمتوں میں ہوں گے۔ مسہریوں پر بیٹھے ہوں گے جنت کے حسین مناظر دیکھتے ہوں گے۔ اے مخاطب! تو ان کے چہروں پر نعمتوں کی شادابی اور تروتازگی محسوس کرے گا۔ ان کے پینے کے لئے خالص سر بمہر شراب جس پر مشک کی مہر لگی ہوگی ملے گی (ایک دوسرے پر آخرت کے امور میں) حرص کرنے والوں کو ایسے ہی مرتبے اور مقام کے حاصل کرنے پر حرص کرنا چاہئیے۔ اس لیے کہ یہ نعمتیں حسب مراتب کسی کو زیادہ ملتی ہیں اور کسی کو کم۔ کیونکہ اس کا ملنا اعمال حسنہ اور اخلاق فاضلہ پر موقوف ہے اسلئے ان اعمال حسنہ اور اخلاق فاضلہ الٰہیہ میں ایک دوسرے سے سبقت کی حرص کرنی چاہئیے تاکہ یہ نعمتیں حاصل ہوں۔ "اور اس شراب کی آمیزش تسنیم کے پانی سے ہوگی۔ تسنیم جنت کا ایک ایسا چشمہ ہے جس سے مقرب لوگ ہی (پانی) پیتے ہیں"۔ یعنی اس چشمہ کا پانی مقرب لوگوں کو تو خالص ملے گا اور نیک لوگوں کی شراب میں اس میں سے تھوڑا سا پانی ملا کر دیا جائے گا اس کے بعد مزید آیات کا ترجمہ پڑھیں (وہاں) بڑی اونچی اونچی

مسہریاں جن پر فرش بچھے ہوئے ہیں ایسے فرش جو بہت بلند ہیں (الواقعہ) ان کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے وہ لوگ سبز مشجر اور عجیب و غریب خوبصورت کپڑوں (کے گاؤ تکیوں) پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ اللہ کا ولی اُن مسہریوں پر سے ایسے دو چشموں کو دیکھے گا جو دو باغوں میں جاری ہوں گے (الرحمٰن) ان دو باغوں میں ہر قسم کے میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی (گویا کہ ایک ہی قسم کے میوے کے دو مزے ہوں گے) (الرحمٰن) نہ ان کی کچھ روک ٹوک ہوگی (الواقعہ) وہ لوگ پسندیدہ زندگی میں بہت بلند مقام پر جنت میں ہوں گے (الحاقہ) ایسے عالی مقام جنت میں ہوں گے جہاں کوئی لغوبات نہ سُنیں گے۔ اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے اور اس میں اونچے اونچے تخت بچھے ہوئے ہوں گے اور سب طرف قالین ہی قالین پھیلے ہونگے۔ (غاشیہ) وہ لوگ سایوں اور چشموں میں رہتے ہوں گے (المرسلات) اس جنّت کے پھل ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس کا سایہ بھی ہمیشہ رہنے والا ہوگا (رعد)

ایک حدیث قدسی میں ہے:

عن ابی ھریرۃؓ	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ
قال قال رسول اللہ	عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ
تعالیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ	خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
وسلم قال اللہ تعالیٰ	نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ فرماتا
اعدت لعبادی	ہے کہ میں نے اپنے نیک
الصالحین ما لا	بندوں کے لئے (جنت) میں
عین رأت ولا اذن	ایسی ایسی چیزیں تیار کر رکھی
سمعت ولا خطر علیٰ	ہیں کہ جن کو نہ کسی آنکھ نے
قلب بشر فاقرؤا	دیکھا نہ کسی کان نے سُنا اور نہ

ان شئتم فلا تعلم	کسی بشر کے دل میں اس کا
نفس ما اخفی	خیال بھی آیا ہوگا) پھر حضورؐ
لھم من قرۃ	نے فرمایا کہ اس بات کی تائید
اعین۔	کے لئے قرآن مجید کی آیت
(مشکوٰۃ ص۴۹۵ از بخاری و مسلم)	تمہارا جی چاہے تو پڑھ لو۔

جنت کی تفصیل جاننے کے لئے کتاب "جنت کی نعمتیں" ملاحظہ فرمائیں[1]
جن نعمتوں کا نام لے کر خبر دی گئی ہے یہ تو صرف بطور نمونہ بیان کی ہیں۔ اور اس بیان میں بھی دنیاوی چیزوں کے ساتھ صرف نام کی مشابہت و مشارکت ہے۔ آخرت کی نعمتوں کو تو یہاں سمجھا بھی نہیں جا سکتا، جیسے بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہو۔ اگر اس کے سامنے کوئی دنیا کی وسعت اور یہاں کی چیزوں کا ذکر کرے کہ چند روز میں تم ایسی جگہ جاؤ گے تو اس کی سمجھ سے یہ باتیں بالاتر ہوں گی۔ حالانکہ ماں کے پیٹ اور دنیا میں تو پھر بھی کچھ نسبت ہے اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو تو کچھ بھی نسبت نہیں آخرت تو غیر محدود ہے۔ اس کے مقابلہ میں اس دنیا کی حیثیت خواب سے بھی کم ہے۔ سبحان اللہ بندہ کی عقل پر کیسے کیسے حجابات اور پردے پڑے ہوئے ہیں کہ دنیا کا تو یقین ہے اور ساری ہمت اس کے لئے تو صرف کرتا ہے۔ مگر آخرت پر سرسری ایمان سے زیادہ نہیں۔ نہ اس کے لئے کچھ کرتا ہے۔ نہ ہی کچھ قربانی دیتا ہے۔ حالانکہ نہ دنیا میں قربانی دیئے بغیر کچھ ملتا ہے نہ آخرت میں۔ اب تو آپکو اللہ جل و علا سے محبت و عشق کرنے کے فائدے معلوم ہو گئے۔ کہ محبت کرنے والے اعمال اختیار کر کے اور اپنے دل میں محبت پیدا کرنے کے بعد کیا کچھ ملتا ہے۔ یعنی محبت کر کے خود اس کی

---

[1] تالیف مولانا عاشق الٰہی صاحب ــــ مدینہ منورہ

ذات میں کیا کیا کمالات حاصل ہوتے ہیں پھر اس کی موت کیسے ہوتی ہے. پھر ہمیشہ ہمیشہ کی آخرت کی زندگی کیسے عیش میں گزرتی ہے. اس کے لئے اگر اس حقیر اور فانی زندگی کی خوبیوں کی کوئی پرواہ نہ کی جائے بلکہ اس کو آخرت پر قربان کر دیا جائے تو نفع ہی نفع ہے۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

اب تو ناظرین کو اپنے اندر محبت کا ثبوت اور اس کو بڑھا کر عشق کا درجہ حاصل کرنے کی استعداد کا ہونا معلوم ہو چکا۔ سچے عشق، سچے ایمان و یقین اور احسان و اخلاص کے ثمرات دنیا و آخرت میں معلوم ہو گئے۔ تو یقین ہے کہ اپنی محبت کو بڑھانے کا شوق پیدا ہو گیا ہوگا ؎

اظہار کر کے عشق و محبت کے راز کو
پھر سے بنا دیا مجھے اُمیدوار آج

محبت تو اے دل بڑی بات ہے	یہ کیا کم ہے کہ اسکی حسرت ملے
یہی زندگی جاودانی بنے	جو آبِ حیاتِ محبت ملے
تیرے عشق کے غم کی دولت ملے	تو سارے غموں سے فراغت ملے

نوٹ :۔ اگلے باب میں ذکر و شغل کا بیان قدرے مشکل ہے. پھر چند اوراق کے بعد عملی طریق کا بیان بہت آسان ہے ؎

محبت انتہا میں مشکلیں آسان کرتی ہے
مگر اس فتنہ گر کی ابتدا مشکل سے ہوتی ہے

دوسرا باب

عشاق کے زمرہ میں داخل ہونیکا طریقہ

یعنی طریق سلوک

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتادو قاعدہ
اے اسیرانِ قفس میں نو گرفتاروں میں ہوں

اس عشق کے راستہ کو تصوّف، معرفت اور جذب و سلوک کہتے ہیں۔
جس کی ابتدا" انما الاعمال بالنیات" سے ہوتی ہے اور انتہا" ان تعبد اللہ کانك تراہ" ہے اسی کو اخلاص و احسان کہتے ہیں۔

بہت سے حضرات کی یہ خواہش ہوتی ہے۔ کہ محبت و معرفت کے حصول کے طریق کو بھی سمجھا جائے، لیکن اس کا سمجھنا دوسری چیزوں کے سمجھنے سے بالکل الگ طریق سے ہوگا، اس لیے کہ عام طور پہ پہلے کسی چیز کا علم حاصل کیا جاتا ہے پھر اس کی تفہیم ہوتی ہے پھر عمل ہوتا ہے پھر نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔ یہاں پہلے عمل ہے پھر وہ چیز حاصل ہوتی ہے پھر سمجھ آتی ہے کیونکہ یہاں ان کیفیات اور وجدانی امور سے بحث ہوتی ہے جو کہ قبل حصول بیان میں نہیں آسکتے لیکن محسوس و مشاہد مثالوں کے ذریعہ اس راستہ کے اسباب کی تاثیروں کا کچھ احساس دلایا جاتا ہے۔

بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اجنبی شخص بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کیا ہے؟ آپنے فرمایا کلمہ شہادت، نماز، زکوٰۃ کا ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور بشرط قدرت حج کرنا، اسی کا نام اسلام ہے، اس مردِ اجنبی نے کہا آپ نے بالکل درست

فرمایا، اس پر ہم نے تعجب کیا (یعنی صحابہ نے) کہ یہ شخص سوال بھی کرتا ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے، بعدہٗ ایمان کے متعلق استفسار کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ خدا، فرشتے، کتابیں، انبیاء اور قیامت کے دن پر یقین رکھنے کا نام ایمان ہے۔ مضبوطی کے ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھو کہ تمام خیر و شر خدا کی جانب سے ہے اس کے بعد پھر اس نے سوال کیا کہ اچھا یہ تو فرمائیے کہ احسان کیا چیز ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ احسان اس کا نام ہے کہ خدا کی اس طرح عبادت کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر تم یہ نہیں کر سکتے تو یہ سمجھ لو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے بعد پوچھا کہ قیامت کب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں اس کے متعلق تم سے زیادہ نہیں جانتا، اس کے بعد اس نے پوچھا کہ اچھا پھر قیامت کی علامتیں ہی بتلا دیجئے۔ آپ نے اس کو چند علامتیں بتلا دیں اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جبرئیل تھے تم کو دین سکھانے آئے تھے۔

اس حدیث سے اس بات کا پتہ لگ گیا کہ عقائد و اعمال کے سوا کمال کچھ اور ہی شئی ہے کہ جس کا نام احسان ہے اور اسی کو ولایت کے نام سے پکارتے ہیں۔

صوفی (عاشق) پر جب اللہ تعالیٰ کی محبت طاری ہو جاتی ہے۔ جس کا نام اصطلاح میں فنائے قلب ہے، اس وقت اس کا دل محبوب حقیقی کے دیدار و مشاہدہ میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس کے ماسوا کسی دوسری شئی کی جانب توجہ نہیں کرتا۔ جاننا چاہیئے کہ وہ ایسی حالت میں خدا کو نہیں دیکھتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا دیدار دنیا میں محال ہے۔ اگرچہ صوفی پر ایسی صورت میں ایسی حالت طاری ہوتی ہے کہ گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے اس کیفیت میں صوفی اپنے آپ کو مشکل سے سنبھال سکتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ تم ایسا سمجھو کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہے۔

(اس کیفیت احسان کا تعلق دل ہی سے ہے)

"طریق سلوک کے صحیح ہونے کی پہلی عقلی دلیل"

تقریباً ہزار سال سے زیادہ مدّت سے اُمّتِ محمدیہ کے صالح ترین طبقہ نے جن کا کسی غلط یا غیر واقعی بات پر اتفاق کر لینا عقلاً و نقلاً محال ہے۔ اس پر اتفاق کیا ہے۔ کہ نورِ یقین و نسبت احسانی حاصل کرنے کے لئے صوفیائے کرام کا یہ طریقہ یعنی اذکار میں کچھ قیود و شرائط بڑھا کر ان کی تاثیر کو بڑھانے کا طریقہ اصولاً صحیح اور نتیجتاً کامیاب ہے۔ کون اس سے انکار کر سکتا ہے۔ کہ مشاہیر اولیاء امت مثلاً خواجہ معروف کرخیؒ، بشر حافیؒ، سری سقطیؒ، شقیق بلخیؒ، بایزید بسطامیؒ، اور جنید بغدادیؒ، ابو بکر شبلیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ احمد رفاعیؒ، شیخ ابوالحسنؒ شاذلی، خواجہ عثمان ہارونیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ، اور پھر ہمارے اس دور کی گذشتہ تین صدیوں میں خواجہ باقی باللہؒ، امام ربّانی مجدد الف ثانیؒ، شیخ احمد سرہندیؒ اور ان کے خلفاء اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ حضرت سیّد احمد شہیدؒ۔ پھر تیرھویں چودھویں صدی کے اکابر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت محدّثِ جلیل خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت حکیم الاُمّت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان سب حضرات کے خلفاء جن میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت اقدس رائے پوریؒ، حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ اور موجودہ وقت کے قطب الاقطاب حضرت مولانا محمد زکریاؒ، گذشتہ ہزار سال کی مُدّت میں ان حضرات جیسے سینکڑوں افراد ہیں جو اپنے اپنے وقت میں اس نسبت کے حامل بلکہ اس راہ کے امام اور داعی ہوئے ہیں۔ اور ان میں سے

ایک ایک کی صحبت و تربیت سے اللہ تعالیٰ کے ہزاروں لاکھوں بندوں کو یہ دولت حاصل ہوئی ہے جو شخص ان سلسلوں سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ ان بزرگوں کو جو کچھ حاصل ہوا اس راہ سے حاصل ہوا تھا۔ اور انہوں نے اسی طریقہ پر دعوت و تبلیغ کا کام بھی کیا۔ انہی کی کوششوں سے ہم تک دین پہنچا۔ اور ہدایت ملی۔ پس جس طریقہ نے اُمّت محمدیہؐ میں اتنے کاملین اور اس قدر اصحاب احسان و یقین پیدا کئے ہوں۔ اس کے صحیح کامیاب اور مقبول ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اور اُمّت کے خواص کی اتنی بڑی جماعت کا کسی خلاف شرع کام پر اجماع کر لینا عقلاً محال ہے۔ ان ہی بڑے صوفیائے کرام میں سے بہت سے نامور محدثین گزرے ہیں جن سے ہمیں احادیث اور پورا دین پہنچا ہے۔ ان حضرات کا کسی گمراہی پر مجتمع ہو جانا ان کی ثقاہت کو مجروح کرتا ہے۔ لہٰذا اس الزام کا باطل ہونا ظاہر ہے کہ اس کو مان لینے سے ہمارا سارا دین ہی مشکوک ہو جاتا ہے۔ اور اہل علم کا کسی گمراہ بات پر مجتمع نہ ہونا حدیث پاک

لا تجتمع اُمّتی علی الضلالة۔	کہ میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی۔

سے بھی ظاہر ہے۔ اور اس جماعت کے کسی فرد کی نیّت پر حملہ نہیں کر سکتے۔ قلم زبان کی اور زبان قلم کی شاہد ہیں۔ کہ ہم کو ان مشائخ کی صحبت سے کہ جن کا سلسلہ صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ باطن میں فقہ اور عقائد کے علاوہ ایک خاص حالت پیدا ہوئی۔ اور یہ فقہ اور عقائد تو ان کی صحبت سے پہلے بھی دل میں جلوہ گر تھے۔ یعنی ان کا پورا علم تھا۔ اور اعمال پر عمل کی توفیق حاصل تھی۔ اور اس خاص حالت سے (یعنی حصول نسبت سے) خدا اور اس کے دوستوں سے موانست۔ اعمال صالحہ اور توفیق حسنات اور اعتقادات حقہ میں اور

مضبوطی پیدا ہو گئی۔ اور یہ حالت ایک کمال ہے۔ جو دیگر تمام کمالات کا سبب ہے۔

طریق کی دوسری دلیل

انسانی وجود میں اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت دل ہے جس کی پسند و ناپسند اصلاح و بگاڑ اور صحت و بیماری کا اثر سارے وجود انسانی پر مسلمہ حقیقت ہے۔ اور عشق و محبّت کا محل یہی دل ہے۔ اس کی اصلاح و تندرستی کی کوشش کرنا ہی طریقِ سلوک کہلاتا ہے چنانچہ

حدیث شریف میں

آنحضور صلی اللہ علیہ وٰالہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ اگر وہ صالح ہو تو تمام جسم صالح ہے اور اگر وہ فاسد ہو تو تمام جسم فاسد ہے اور وہ گوشت کا ٹکڑا کون سا ہے؟ وہ دل ہے۔

بلاشبہ دل کہ جس کی صلاحیّت سارے جسم کی صلاحیت کا سبب ہے۔ جب محبت الٰہی میں فنا ہو جاتا ہے اور نفس اس کی ہمسائیگی کے سبب سے اپنی صفتِ امارہ یا لسوء سے باز آجاتا ہے اور اپنے اندر محبت و عداوت کو صرف خدا ہی کے لئے جگہ دیتا ہے۔ تو صوفیاء اس کو فنائے قلب کہتے ہیں۔ ایسی حالت میں سارا جسم شریعت کا فرمانبردار ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ قلب کی صلاحیت ایمان و اعمال ہی سے ہے تو اسکا یہ کہنا درست نہیں ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وٰالہٖ وسلم نے قلب کی صلاحیت کو بدن کی صلاحیت کا سبب ٹھہرایا ہے۔ (یعنی بدن سے نکلنے والے اعمال کا ٹھیک ہونا تب ہی معتبر ہو گا جب کہ قلب کی اصلاح ہو جائے گی)۔ اس وقت ہی بدن سے نکلنے والے اعمال یعنی نماز، روزہ جہاد و تبلیغ وغیرہ بارو ح اور وزنی ہونگے۔ اصلاح سے پہلے ظاہری اعمال بے مغز بے روح ہیں تھے گو فرض ادا ہو جائے گا۔ اس لئے مکمل اصلاح قلب کے دوران ان اعمال کو چھوڑا نہیں جائے گا۔

کیونکہ یہ ایمان کا تقاضا ہے۔ جیسے کہ معدے کے مریض کو غذا کا نفع اسی وقت ہوگا جب کہ دوا سے معدے کو تندرست کر لے۔ لیکن علاج کے دوران غذا تو کھانی پڑے گی کہ بالکل نہ کھانے سے شفا تو کیا مریض ہی مر جائے گا۔ کیونکہ غذا زندگی کا تقاضا ہے۔

دل کی اصلاح یعنی طریق کی حقانیت کی تیسری دلیل

اس امر پر اجماع ہے کہ تمام امت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کوئی بہتر نہیں، حالانکہ ان کے عمل و علم میں اور بھی شریک ہیں (بلکہ بعض بڑھ کر بھی ہیں) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص کوہ احد کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں سونا دے تو اس کا یہ ایثار صحابہ کرام کے ایک یا نصف مد کے برابر بھی نہیں ہوگا جو انہوں نے خدا کی راہ میں خرچ کیا ہو۔

(بخاری و مسلم)

صحابہؓ کو شرف کسی اور وجہ سے نہیں ہے بلکہ صرف اسی وجہ سے ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت میں بیٹھے تھے اور ان سے بلا واسطہ حصول فیض کیا تھا اور ان کے دل مشکوٰۃ نبوت سے کاسب نور تھے اولیاؑ کو اگر یہ نعمت نصیب ہوئی تو صرف اپنے مرشدوں کی صحبت میں بیٹھنے سے اور ان کی خدمت کرنے سے پس اس صحبت میں اور اس صحبت میں بہت فرق ہے۔

صوفیائے کرام کے طریقوں کا تسلسل

علوم نبوت تو کتابوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں۔ اور انوار نبوت سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں۔ اس لئے ہمیشہ سے حاملان

علوم نبوّت نے انوار نبوّت حاصل کرنے کے لیے اولیاء اللہ کی صحبت اختیار فرمائی ہے۔ اسی وجہ سے یہ نسبت باطنی نسبت مسلسلہ کہلاتی ہے۔ چنانچہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے میرے سینہ میں ڈالا تھا۔ وہ میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا، بس حضرات صحابہ کے قلوب اس نور سے روشن ہو گئے۔ اور ان کے وجود کا چراغدان منور ہو گیا، پھر ان ہی حضرات کے معارف کی روشنیاں تابعین کے قلوب پر منعکس ہوئیں۔ اور اس طرح آئندہ سلسلہ چلتا رہا۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ قول الجمیل میں تحریر فرماتے ہیں صحبتنا و تعلمنا آداب الطریقۃ والسلوک متصلۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالسند الصحیح المستفیض المتصل۔ یعنی ہماری صحبت وطریقت اور سلوک کے آداب کو سیکھنا متصل ہے رسول اللہ علیہ وسلم تک صحیح سند سے اور متصل ہے۔ تا صاحب رسالت۔

صوفیاء رحمہ اللہ کے یہاں ثابت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا، یا رسول اللہ! مجھ کو وہ راستہ دکھائیے جو بندگانِ خدا پر سب سے زیادہ قریب اور سہل تر ہو۔ اور حق تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ افضل ہو۔ آپ نے فرمایا کہ خلوت میں ذکر پر مداومت کو لازم پکڑلو۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے عرض کیا کہ ذکر کس طرح کروں، آپؐ نے فرمایا کہ اپنی آنکھیں بند کرلو اور مجھ سے سنو اس کے بعد آپؐ نے ۳ مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہا اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سُن رہے تھے، اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تین مرتبہ کہا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنتے تھے۔ بعد ازاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بصریؒ کو اور حضرت حسن بصریؒ نے عبد الواحد بن زیدؒ اور حبیب عجمیؒ کو تلقین کیا اور اسی طرح سلسلہ تلقین جاری رہا۔ یہاں

تک کہ متعدد سلسلے اور مختلف طریقے اور متفرق شعبے پیدا ہو گئے۔ (امداد السلوک)

چنانچہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت شداد فرماتے ہیں اور حضرت عبادہ رضؓ اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کوئی اجنبی (غیر مسلم) تو مجمع میں نہیں۔ ہم نے عرض کیا کوئی نہیں، ارشاد فرمایا کواڑ بند کر دو۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا ہاتھ اٹھاؤ اور کہو لا الہ الا اللہ ہم نے تھوڑی دیر ہاتھ اٹھائے رکھے اور کلمہ طیبہ پڑھا۔ پھر فرمایا الحمدللہ۔ اے اللہ تو نے مجھے یہ کلمہ دے کر بھیجا ہے، اور اس کلمے پر جنت کا وعدہ کیا ہے۔ اور تو وعدہ خلاف نہیں ہے اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے فرمایا۔ کہ خوش ہو جاؤ اللہ نے تمہاری مغفرت فرما دی۔

صوفیاء نے اس حدیث سے مشائخ کا اپنے مریدوں کی جماعت کو ذکر تلقین کرنے پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ جامع الاصول میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کو جماعتاً اور منفرداً ذکر تلقین کرنا ثابت ہے جماعت کو تلقین کرنے میں اس حدیث کو پیش کیا ہے۔

سلاسل اربعہ کے مشائخ کی تلقین ذکر و اجازت بیعت کا سلسلہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مسلسل و متصل چلا آرہا ہے۔ چنانچہ ان سلاسل کے شجرات مشہور و معروف ہیں۔ جو تمام کبار اہل علم حضرات کے نزدیک مسلمہ ہیں۔ جو مریدوں کو داخل سلسلہ ہونے پر دیئے جاتے ہیں تاکہ اپنے بزرگوں سے ربط و تعلق کا دھیان رہے۔ جو باعث برکت اور سلسلہ کے فیوض حاصل ہونے میں معین رہے۔

سلوک طریق میں حصول عشق کے تین اسباب اور انکی تاثیریں

حصول عشق کے تین اسباب صحبت عشاق۔ ذکر و شغل اور مراقبات ہیں۔
صحبت عشاق یعنی صحبت اہل اللہ کو اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ اللہ والوں
کی صحبت ہی سے اللہ تعالیٰ کی یاد کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ ان کی صورت
دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آجاتے ہیں جیساکہ حدیث شریف میں آیا ہے،
اور ان کی نورانی گفتگو سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور محبت
سے ذکر کی توفیق ہوتی ہے کیونکہ "من احب شیئاً اکثر ذکرہ"
پھر ذکر سے فکر اور ذکر و فکر سے محبّت کی زیادتی یعنی عشق پیدا ہوتا ہے۔
اس کی تفاصیل پچھلے باب میں گذر گئی ہیں۔

صحبت کی تاثیر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا"
یعنی اللہ تعالیٰ کی فطرت ہے جس پہ کہ انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور حدیث
پاک میں ہے کہ "ما من مولود الا ویولد علی الفطرۃ
فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ" یعنی کوئی
بچہّ ایسا پیدا نہیں ہوتا کہ جس کی پیدائش اسلام کی فطرت پر نہ ہو مگر
اس کے ماں باپ اس کو یہودی کر لیتے ہیں عیسائی کر لیتے ہیں اور مجوسی
کر لیتے ہیں (مشکوٰۃ ص۲۱ از بخاری و مسلم)

دیکھیں اس میں صحبت کی کتنی زبردست تاثیر بیان فرمائی گئی ہے کہ
وہ انسان کی فطری استعداد تک کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔ یہ تو عام
صحبت کا حال ہے۔ پھر مشائخ کی صحبتوں کی تاثیر کا کیا پوچھنا۔ جب کہ وہ
اثر لینے اور اثر دینے یعنی توجہ و ہمّت والی شرائط اور آداب کے ساتھ ہو

جن اعلیٰ درجہ کی ایمانی واحسانی اور حبی کیفیات کی وجہ سے صحابہ کرام کو ساری امت پر فضیلت ہے۔ وہ صحبت نبوی ہی کی تو تاثیر تھی۔ صحابی کے معنیٰ ہی صحبت یافتہ حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے انوار نبوّت کو اپنے سینوں میں حاصل کیا۔ علم نبوّت کے نقوش تو کتابوں میں سے لیے جاسکتے ہیں۔ لیکن انوارِ نبوّت کا محل کاغذ نہیں بن سکتا۔ نور کا محل تو مومن کا قلب ہی ہو سکتا ہے۔ اس لیے علوم نبوّت تو کتابوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں۔ اور انوار نبوّت سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں۔ اسی کو خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت

اک خانہ بخانہ ہے اک سینہ بسینہ ہے

صحبت کی تاثیر اس قدر بدیہی اور روشن ہے کہ اس کو سمجھانے کے لیے کسی بھی دلیل کی ضرورت نہیں، ایک سادہ لوہے کا ٹکڑا جب مقناطیس والے لوہے کے قریب ہوتا ہے تو اس میں بھی مقناطیسی اثر آجاتا ہے۔ اگر دونوں ٹکڑوں کو آپس میں رگڑ دیا جائے تو وہ سادہ ٹکڑا بھی خود مقناطیس بن جاتا ہے۔ اس کی مثالیں بہت ہیں۔ ہر شخص کے مشاہدے میں آتی ہیں۔

سچوں کی صحبت کا محبوب حقیقی نے اپنے محبوں کو حکم دیا ہے

ارشاد ہے " یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین"۔ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

اور اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے محبوں اور یاد کرنے والوں کے ساتھ جم کر بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ " واصبر نفسک مع الذین

یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہٗ (سورۃ الانعام)

انسان کا نفس عادات کا تابع ہوتا ہے۔ اس کو اسی سے آرام وسکون حاصل ہوتا ہے یہ جس گروہ کی صحبت کرے گا اُن ہی کے افعال کو اپنائے گا۔ حق اور باطل کی ساری ارادتیں اس میں مرکب ہیں جو جو معاملے اور ارادات یہ دیکھتا ہے۔ وہ اس میں پرورش پاتی رہتی ہیں اور اسی کا غلبہ ہوتا رہتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے۔" المرء علیٰ دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل"۔ یعنی آدمی وہ دین اور راستہ اختیار کرتا ہے جو اس کے دوست کا ہوتا ہے۔ پس دیکھو کہ کس کے ساتھ دوستی اور صحبت رکھتا ہے۔

(مشکوٰۃ اور ترمذی وغیرہ)

اور دوسری حدیث میں صحبت کی تاثیر میں یوں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ صالح ہمنشین کی مثال عطر فروش کی سی ہے کہ عطر نہ بھی دے گا تب بھی اس کی خوشبو سے بہرہ یابی ضرور ہوگی، اور بد ہمنشین ایسا ہے جیسے لوہار اگر آگ بدن اور کپڑے کو نہ جلائے گی تب بھی دھوئیں کی بدبو دماغ کو ضرور پریشان کر دے گی (خلاصۂ مضمون حدیث روایت بخاری)

حصولِ عشق میں ذکر کے سبب ہونے کی توضیح

عشق پیدا کرنے کے معاملہ میں ذکر کی تاثیر کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل تمہیدات کو سمجھ لیں۔

نمبر ۱:۔ اللہ تعالیٰ کا مبارک نام خواہ جس طرح بھی لیا جائے اثر رکھتا ہے اور ثواب عظیم ملتا ہے۔ کلمہ طیبہ صدقِ دل سے ایک دفعہ کہا جائے تو وہ ستر سال کے کفر کی ظلمت کو دور کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے جہنمی کو ہمیشہ کے لیے جنتی بنا دیتا ہے۔

اسی طرح ہر ذکر کے ماثورہ فضائل بقدر اخلاص حاصل ہوتے ہیں جس طرح تلاوۃ قرآن کے فضائل ہیں۔ جو تلاوت کے آداب بجا لاکر حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طرح کلام پاک کے حفظ کرنے کے بھی فضائل ہیں۔ جو حفظ یعنی دل میں ضبط اور محفوظ کر لینے ہی سے حاصل ہوں گے۔ اگر کوئی دل میں محفوظ نہ کرے اور ساری عمر روزانہ تلاوت ہی کرتا رہے۔ تو اس کو حفظ بھی نہیں ہوگا اور نہ ہی حفظ کے فضائل حاصل ہوں گے۔ اگرچہ تلاوت کی فضیلت حاصل ہوتی رہے گی۔

جب حفظ کا ارادہ کرے گا۔ تو قرآن پاک کو تلاوت کے آداب کے مطابق نہیں پڑھے گا بلکہ ایک ایک لفظ کو کئی کئی دفعہ پڑھے گا ایک ایک آیت کو بار بار کہے گا۔ جب بچے کو اس کا اندازہ نہیں ہوتا کہ کتنی دفعہ کہنے سے یاد ہوگا تو استاذ کچھ تعداد مقرر کر دیتا ہے مثلاً ۴۰ دفعہ کہو تو آواز بھی بلند کرے گا اور اس کے ساتھ اکثر بچے جسم کی کچھ حرکات بھی کرتے ہیں جو اس مشقت میں معین ہوتی ہیں۔ اس وقت معانی پر غور نہیں کریں گے۔ ترغیب و ترہیب کے مضامین کا اثر بھی نہیں لیں گے نہ ہی بیچ میں دعائیں کریں گے۔ ایک بڑی بات یہ ہے کہ سپاروں اور سورتوں کی قرآنی ترتیب کے خلاف بالکل الٹا یاد کرایا جاتا ہے۔ غضب تو یہ ہے کہ حفظ کے لیے جو "عم" کا پارہ چھپتا ہے وہ "والناس" سے شروع ہو کر "عم" پر ختم ہوتا ہے، ہاں حفظ کے بعد سورتوں کی ترتیب یاد کروا دی جاتی ہے۔ یہ سب ترکیبیں حدیث میں کہیں نہیں آئیں مگر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ البتہ اس ساری کاروائی میں ناجائز امور سے ضرور بچنا ہوگا۔ مثلاً بالغ کو بلا وضوء مصحف شریف کو ہاتھ لگانا۔ بلا غسل پوری آیت رٹنا۔ گندی جگہ پر پڑھنا۔ نمازوں کے اوقات میں نماز چھوڑ کر حفظ ہی کرتے رہنا۔ سجدہ کی آیت پر سجدہ نہ کرنا وغیرہ لیکن جس کو

رضا اور قبول کی پرواہ نہ ہو محض حفظ ہی مقصود ہو تو وہ اگر ان ناجائز امور کا لحاظ نہ بھی کرے گا تو حفظ جب بھی ہو جائے گا بلکہ شاید کبھی جلدی بھی ہو جائے۔ کہ وضو، نماز وغیرہ کے اوقات بھی حفظ ہی میں لگا دے گا۔ بہر حال حفظ ایک خاص طریق پر ہو گا اور پانچ دس پارے تلاوت کرنے کی بجائے سارے دن میں صرف ایک رکوع حفظ ہو گا۔ اور یہ طریقہ حفظ کا طریقہ کہلائے گا جو تلاوت کے طریقہ اور آداب سے بالکل مختلف ہو گا۔ گو اس کے ضمن میں کچھ تلاوت بھی ہو جائے گی۔

اسی طرح ماثورہ اذکار کو ادا کرنے کے لیے کوئی خاص طریقہ اور عام طور پر کوئی خاص مقدار یا کسی کی اجازت وغیرہ کی شرط نہیں۔ لیکن صحبتوں کی تاثیر کمزور ہو جانے اور استعدادوں کے ناقص ہو جانے۔ امراض قلبیہ کے غلبہ اور گناہوں کی کثرت سے قلوب کے زنگ آلود ہو جانے کی وجہ سے صوفیائے کرام نے ذکر کی تاثیر بڑھانے کے لیے جس سے وساوس و خطرات کم ہوں خیالات میں یکسوئی ہو، جمعیت و تسکین ہو، اور روح میں نرمی و لطافت پیدا ہو، ذکر میں کچھ قیودات مثل جہر، ضرب، حرکت و ہیبت کے طریقے نکالے اور تنہائی و خاموشی کی لذّت، لوگوں کے اختلاط و ہمکلامی سے نفرت پیدا کرنے کے لیے ذکر خفی کی شرائط تجویز کیں ان قیودات کے ساتھ جو اذکار ہوتے ہیں۔ ان کو سلوک طریق کے اذکار کہتے ہیں۔ یہاں پر ذکر کی جو تاثیر یعنی جس ذکر و فکر سے حصول عشق کی توضیح بیان ہو گی۔ اس سے مراد طریقہ صوفیاً کے مقرر کردہ اذکار ہیں جب کہ وہ اسی طریقے پر کیے جائیں جو صوفیاء میں مشہور و معروف ہیں۔ اسی طریقہ سے مقصودہ تاثیر یعنی عشق کا پیدا ہونا یا فنائے قلب حاصل ہونا یا قلب کی اصلاح ہونا حاصل ہو گا۔ جتنی طریقہ اور شرائط میں کمی ہو گی اتنی ہی ذکر کی تاثیر میں کمی ہو گی۔ اسی طرح جتنے امراض اور غفلت کی زیادتی

ہو گی۔ اتنی ہی مقصود اثر کے حصول میں دیر لگے گی۔

تمہید نمبر ۲ :۔ اس تمہید کو ایک مثال سے سمجھیں۔ ایک شخص جس کے دل میں کسی محبوب کی محبت ہو اور وہ محبوب اس کے قریب بیٹھا ہوا ہو۔ لیکن اس کو محبوب کے بیٹھے ہوئے ہونے کا علم نہ ہو۔ کہ اس کی آنکھیں بیمار ہوں دیکھ نہ سکتا ہو۔ کانوں میں میل بھرا ہوا ہو۔ جس کی وجہ سے سنائی نہ دیتا ہو نزکام کا مرض بھی ہو۔ جس کی وجہ سے خوشبو محسوس نہ کر سکتا ہو پھر نیند و غفلت اور نشہ بھی طاری ہو تو اس کو محبوب کا کچھ ادراک نہ ہو گا۔ اس لیے اس کی طرف کچھ کشش نہ ہو گی۔ اب اگر کوئی کچھ تدابیر کر کے اس کو غفلت سے بیدار کر دے۔ پھر اس کے ناک کان کو صاف کر دے آنکھوں کا علاج بھی کر دے۔ تو محبوب کی کچھ آواز، کچھ مہک اور کچھ جھلک دیکھے گا تو اس کے علم وادراک میں محبوب آجائے گا پھر اس کی طبیعت اس کے ساتھ وصال چاہے گی، اس کی طرف ہاتھ بڑھائے گی۔ اس وقت جو پردہ اور جو چیز اس وصال سے روکنے والی مزاحم ہو گی۔ اس کے ساتھ اس کا ٹکراؤ ہو گا جوش کے ساتھ مقابلہ ہو گا۔ ہاتھ پاؤں مارنا، چلانا، عاجزی کرنا، غم، جوش اور دیوانگی وغیرہ حالات پیش آئیں گے اور اسی حالت کو عشق کہتے ہیں، پھر اسی عشقی حالت کو بڑھانے والے مؤیدات شامل ہو کر یہ کیفیت بڑھتی ہی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ ہر مزاحم کو شکست دے کر اور ہر پردہ کو پھاڑ کر محبوب سے وصال کرتا ہے۔ لیکن اگر محبوب کی ذات وصفات غیر متناہی ہوں تو اس کا اضطراب ختم نہیں ہو گا۔ محبّت ہمیشہ بڑھتی ہی جائے گی اور یہ محبوب کے اندر ترقی ہی کرتا جائے گا۔ لیکن رد وقبول کا معاملہ یہاں بھی قانون رضا کی پابندی سے متعلق ہے۔

تمہید نمبر ۳ :۔ ذکر کے معنیٰ تو اللہ تعالیٰ کی یاد کے ہیں۔ لیکن جن الفاظ سے

اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے وہ الفاظ بھی ذکر اللہ کہلاتے ہیں جیسے کہ" لا اله الا اللہ" کو افضل الذکر فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح اسم مبارک کو یاد کرنے کا بھی حکم ہے۔" واذکر اسم ربك" کہ یہ بھی قائم مقام اللہ ہی کی یاد کے ہے۔ کیونکہ اسم مبارک ذات مبارک سے الگ نہیں اسم کی یاد سے کچھ نہ کچھ ضرور ذات پاک کی یاد بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اسم" اللہ" عالم الفاظ میں ذات پاک کی ایک تجلی ہے۔ اس کے بعد جب یہ اسم مبارک یا عالم الفاظ میں ذات پاک کی یہ تجلی ذاتِ مقدسہ کا علم یا اس کا ایک قسم کا ادراک اور اس کی طرف توجہ پیدا کر دیتا ہے تو یہ توجہ حضرت حق جلّ جلالہ کی ایسی دوسری تجلّی ہے جو کہ دوسری تمام تجلیّات سے لطیف، بلند اور ذات پاک کی طرف سب سے قریب ہے اور یہ عالمِ علم کی تجلّی ہے جیسا کہ اسمِ مبارک میں عالمِ الفاظ کی تجلّی ہے۔ ان تمہیدات کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد ذکر کی تاثیر کا سمجھنا بہت آسان ہو جائے گا۔ وہ اس طرح کہ ذکر اسم ذات یا ذکر نفی و اثبات خواہ جہری ہو یا خفی کسی بھی طریق پہ شرائط کے مطابق کیا جائے تو کچھ عرصہ کے بعد ذاکر کے حلق، زبان اور تالو اور کان کو نور، سکینہ سے مالا مال کر دیتا ہے جو کہ مشاہدہ ہے اور ذاکر کے خیال اور وہم کو گم گشتگی اور وارفتگی بخشتا ہے۔ چونکہ یہ اسم مبارک عالم الفاظ میں ذات پاک کی ایک تجلی ہے جو ذات پاک سے الگ نہیں۔ اس لیے ذاکر خود بخود یا ادنیٰ توجہ سے اس الفاظ کے مفہوم یعنی ذات مقدسہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور یہ توجہ عالمِ علم میں ذات پاک کی ایک دوسری تجلّی ہے جیسا کہ اسم مبارک عالم الفاظ میں ذات پاک کی ایک تجلّی تھی۔ یہ دوسری تجلی جو سب تجلیات سے زیادہ لطیف بلند اور حضرت ذات مقدسہ کی طرف سب سے زیادہ قریب ہے۔ لہٰذا جب یہ تجلی یعنی مفہوم اسم مبارک کا جس کو توجہ الی اللہ کہتے ہیں۔ ذاکر کے ذہن میں اس

حیثیت سے استقرار پکڑ جاتی ہے کہ وہ معشوق کا نام بھول کر معشوق کے جلوہ میں محو ہو جاتا ہے کہ بصیرت کی آنکھ اس ذات مقدسہ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ اور ادراک کی تمام قوتیں آنکھ کی طرح اس مفہوم کی طرف نظر جما لیتی ہیں۔ اور اس کے ماسوا کی طرف تہ دل سے ذرہ بھر التفات نہیں رہتا گو اوپرے دل سے امور اتفاقیہ کے طور پر ماسوا کا خیال بھی آجائے گا مگر تہہ دل سے کسی طرف خیال نہیں جاتا اس کیفیت کو فکر بھی کہتے ہیں ؎

آسکے غیر مرے خانۂ دل میں کیسے
کہ خیال رخ دلدار ہے دربان اپنا

رخ سے کاکل اٹھا دیا کس نے	رات میں دن دکھا دیا کس نے
لاکھ کو ایک، ایک کو لاکھوں	کر کے ظاہر چھپا دیا کس نے
عرش اور فرش جس کو پا نہ سکیں	میرے دل میں سما دیا کس نے
ڈھونڈنے نکلے آپ کو پایا	مجھ کو اس میں گما دیا کس نے
ابر گریاں میں برق حسن دکھا	روتے روتے ہنسا دیا کس نے

الغرض جب طالب اپنے ادراک و ہمت سے اس مفہوم میں یعنی توجہ الی اللہ میں استغراق قوی حاصل کر لیتا ہے۔ اور یہ تجلی اس کی جان سے پیوستہ ہو جاتی ہے تو سالک کے لطیف ترین اجزاء کو جس کا نام روح الٰہی ہے آشیانہ بنا کر اور اس کے ساتھ امتزاج پا کر روح کو اپنے محبوب کی طرف کھینچتی ہے۔ کیونکہ یوم میثاق ہی سے اپنے محبوب حقیقی کی معرفت و محبت ہو چکی تھی۔ جیسا کہ پچھلے باب میں مفصل ذکر ہو چکا ہے اور روح الٰہی کی اصل بھی عالم پاک ہی ہے " قل الروح من امر ربی " یعنی کہہ دو کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اس کی شان میں ہے، اور ہر چیز اپنے اصل کی طرف جانا

جانا چاہا کرتی ہے، یہ روح جسم میں محبوس و مقید ہونے کے سبب سے اپنی
اصل کو بھول گئی تھی اور اس کے ادراک کا آئینہ زنگ پکڑ گیا تھا جب مذکورہ
بالا تجلی کے نور سے اس کا چہرہ مصفّیٰ ہو گیا۔ اور کمالات حق کا عکس اپنے اندر
دیکھ کر اپنی اصل کا علم ہوا تو اپنی فراموش شدہ اصل اور اپنے بھولے ہوئے
معشوق کو یاد کر کے اس کی طرف پہنچنے کی خواہش کرتی ہے۔ پس اس
تجلّی کا اس روح کو کھینچنا بسبب اس آگاہی اور بیداری کے جو اس تجلّی کے
استقرار کی وجہ سے حاصل کی تھی اور روح کا کھنچ جانا یہ دونوں ملائکہ کی
اس مقرب اور نورانی جماعت کی طرف صعود کرنے کا اقتضاء کرتے ہیں۔
جن کو بہت ہی قرب حاصل ہے (اس کو حظیرۃ القدس کہتے ہیں) اور رفیق اعلیٰ
کے ساتھ مل جانے کی خواہش کرتے ہیں، لیکن چونکہ بشریت کا غبار حظیرۃ
القدس میں پہنچنے سے مانع ہوتا ہے اس لیے ناچار اقتضائے روحانی اور
اقتضائے نفسانی کے درمیان کشمکش اور مزاحمت پیدا ہوتی ہے، اس سبب
سے شورش اور بے قراری اور گرمی نسمہ (یعنی نفس اور جان کے اندر جو روح طبعی
یعنی روح حیوانی کہلاتی ہے) پیدا ہوتی ہے جس طرح غصّہ کے وقت شورش
اور گرمی اور خوشی کے وقت بشاشت اور دل کشادگی پیدا ہو جاتی ہے۔
بالجملہ یہ شورش اور تغافل جو کہ روح نفسانی میں پیدا ہو گئی ہے طالب
کو دیوانوں اور مستانوں کی طرح آوارہ پھراتی ہے۔ اور اس کی عقل و فکر کو
درہم برہم کرتی ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قانون شرع اور قواعد
ادب سے باہر کھینچ لے جاتی ہے اور اس کیفیت کی شدّت و حدّت کی وجہ سے
جنگلوں اور ویرانوں سے انس ہو جاتا ہے اور مجلسوں اور گھروں سے نفرت
اور وحشت ہو جاتی ہے اور آہ و فغاں کا سرزد ہونا چہرے کے رنگ کی زردی
اور رونا اور اشکباری حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اس کیفیت کا نام عشق ہے اور یہ کیفیت آناً فاناً بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ

بشریت اور ناآشنائی کا حجاب پھٹ جاتا ہے اور نفسانیت کا غبار پاش پاش ہو کر اس محبت کا ثمرہ مرتب ہو جاتا ہے ؎

شعلہ رخ دکھا کے اپنا ہمیں
سر سے پاؤں تک ہلا دیا کس نے
عشق و معشوق عاشق اک کہہ کر
سرِّ وحدت سمجھا دیا کس نے

کچھ چیزیں اس حب عشقی کو بڑھانے اور قوی کرنے والی ہیں ان میں سے ایک ریاضت یا مجاہدہ ہے یعنی کم بولنا کم سونا کم کھانا اور لوگوں سے اختلاط کم رکھنا۔ اس لیے کہ حسِ حیوانی کو ان امور سے رقت اور لطافت حاصل ہوتی ہے اور جس قدر روح حیوانی رقیق تر ہو اسی قدر تغلغل اور شورش اور گرمی کا پیدا ہونا اس میں جلدی سے ہوتا ہے اسی طرح حب عشقی کے مؤیدات میں سے خوش الحانی اور صورتِ دلکش اور قصص شوق آمیز اور اشعار عشق انگیز کا سننا ہے۔ ان میں قوی تر اور ضروری چیز صحبت عشاق ہے۔ اس عشق کے ثمرات مثلاً معیت الٰہی۔ مقام فنا و بقا کا حصول وسعت ادراک اور رذائل کا دور ہونا، قبولیت عام کا حاصل ہونا دعائیں قبول ہونا دشمنوں پر مصیبتیں ٹوٹ پڑنا وغیرہ حاصل ہوتے ہیں۔ جن کا مفصّل بیان باب اوّل عشاق کے احوال میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں اس حب کے آثار بیان کر کے ایک اہم تنبیہ عرض کرنا ہے۔

حبِّ عشقی کے آثار

عشق کے آثار کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل تمہیدات کو ذہن میں رکھیں۔

تمہید نمبر ۱:۔ دنیا کی ہر چیز چاہے مادّیات میں سے ہو یا احوال میں سے ہو اور وہ چیز خواہ کتنی ہی عظیم الشان ہو اور اس سے بڑے بڑے فوائد حاصل کئے جاتے ہوں۔

اس کے کچھ مخصوص خواص اور امور ایسے ہوتے ہیں کہ اس چیز کی ذات ان خاصیتوں کے ہونے کا تقاضا کرتی ہے اگر وہ خواص نہ پائے جائیں تو کہا جاتا ہے کہ وہ چیز موجود ہی نہیں۔ یہ امور اقتضائے ذاتی کہلاتے ہیں۔ جیسا کہ آگ ہے کہ اس کی ذات کا تقاضا علو یعنی اوپر جانا ہے، گرمی اور تپش، اپنے ماسوا کو جلا دینا فنا کر دینا ہے۔ اور اپنے رنگ میں رنگ لینا ہے اگر آگ سے ان خواص کو ختم کر دیا جائے مثلاً بہت سا پانی اس کے اوپر بہانے کی بجائے اس طریق سے آگ کے قریب کیا جائے کہ آگ کے خواص گرمی وغیرہ ختم نہ ہونے پائے تو پھر یہ آگ پانی کو ختم کر دے گی۔ یعنی پانی کے بہنے کی خاصیت ختم ہو کر پانی بھاپ بن کر اوپر کو اڑنے لگے گا۔

تمہید نمبر ۲:۔ دنیا میں آگ کے اقتضائے ذاتی سے بڑی بڑی تباہی آتی ہے کہ آگ سے جل مکان محلے کے محلے اور جنگلات وغیرہ برباد ہو جاتے ہیں۔ اس لئے آگ سے بچاؤ کے لیے بڑے بڑے انتظامات حکومتیں کرتی ہیں۔ اور نجی طور پر لوگ بھی اس کی تباہی سے بہت ہوشیار رہتے ہیں۔ لیکن یہی آگ جب نیک نیتی اور نیک ارادہ کے ساتھ خاص مقدار، خاص طریقہ اور احتیاط کے ساتھ استعمال کی جاتی ہے۔ تو زندگی کی بہت اہم اور ضروری خدمات انجام دیتی ہے۔ اس کے بغیر زندگی بالکل بے مزہ اور بے رونق ہوتی ہے۔

تمہید نمبر ۳:۔ اگر کوئی آگ پیدا کرنے کا سامان کر لے مثلاً لکڑی اکٹھی کرے اس کو سکھائے اور ترتیب کے ساتھ رکھ کر کوئی جنگاری کہیں سے لا کر ان میں رکھے پھر پھونکیں مارے اور باہر کی تیز ہوا سے بچاؤ کرے تو آگ پیدا ہو جائے گی۔ اب خواہ وہ لکڑیاں چوری کی ہوں یا حلال مال کی ہوں پھر خواہ اس آگ سے کھانا پکالے یا صرف نظارہ ہی دیکھا کرے یا اپنے کپڑے بھی جلا لے۔ الغرض اس آگ کی وجہ سے خواہ نیک نامی حاصل کرے خواہ مجرم بن جائے مگر کوئی

اس کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ شخص آگ کو نہیں حاصل کر سکا اس سے محروم ہے۔ وہ آگ والا ہی کہلائے گا خواہ مقبول ہو خواہ مردود اسی طرح اس سے فائدہ یا نقصان کم حاصل کرے یا زیادہ۔

اب عشق کے آثار کو سمجھنے میں غلط فہمی نہیں ہوگی اور عشق جیسی قیمتی دولت رکھنے والوں کی غلط کاریوں کا راز سمجھ میں آجائے گا جس کے نہ سمجھنے سے ایک بڑا طبقہ اس راستہ سے محروم ہے۔

اور یہ بات مندرجہ ذیل تمام آثار میں پائی جائے گی۔ کہ آداب شریعت کا لحاظ رکھنے پر وہ آثار مفید ہوں گے۔ ورنہ مضر ہوں گے۔ گو آثار موجود ہونگے اس بات کو نہ سمجھنے سے ایک بے وقوف متکبر طبقہ غلط صوفیوں (جس میں یہ آثار عشق ہوتے ہیں) کی مثال دے کر اہل حق عشاق سے بدظن کرتا ہے۔

حبّ عشقی کا ایک اثر یہ ہے کہ عشق کا اقتضائے ذاتی بشری حجاب کا پھاڑنا اور روح الہٰی کا اپنی اصل کی طرف پہنچنا ہے یعنی اس کا تقاضا محبوب سے وصال ہے۔ اور اس کے جمال کے مشاہدہ میں مضمحل اور فانی ہو جانا ہے اور بس۔ اس کے لیے محبوب کی رضا والے کاموں کا کرنا یا ناراضی والے کاموں کو کرنے سے اس کو بحث نہیں جائز ناجائز جس طریقہ سے ہو سکے وصول ہو جائے جیسا کہ کسی کو کعبہ کی زیارت کا شدت سے شوق ہو جائے اور زیارت سے اس کا مقصد محض دل کو ٹھنڈا کرنا ہو۔ ثواب یا زیارت کے شرعی فضائل اور وہاں جا کر رد ہو جانا یا قبول ہو جانا اس سے بحث نہ ہو۔ تو وہ کسی غریب کا مال چوری کر کے ٹکٹ حاصل کر لے گا اور ساری دنیا اس کو کعبہ شریف کے دروازہ پر کھڑے دیکھ لے گی۔ ہاں اگر اس کو اس شوق و عشق کے ساتھ کچھ عقلی محبت بھی ہو گی تو وہ اپنے شوق و عشق کو کسب حلال میں مجاہدہ کرنے میں بھوک تنگی

برداشت کر کے بچت کرنے میں اور رات کو جاگ کر زیارت کے آداب و مسائل کو سیکھنے میں خرچ کر کے پھر کعبہ تک پہنچے گا تا کہ اس کو قبولیت و رضا حاصل ہو چاہے پانچ سال میں پہنچے۔ اگرچہ پہلی صورت میں چوری کر کے فوراً ہی پہنچ سکتا تھا۔

حب عشقی کا دوسرا اثر

محبوب کے مشاہدہ کے سوا سب تعلقات سے دل تنگ ہونا ہے جس کی وجہ سے اہل قرابت کے حقوق ادا کرنا یا شادی خانہ داری، سیاست منزل، سیاست مدنی وغیرہ امور سے نفرت اور وحشت ہوتی ہے۔

حب عشقی کا تیسرا اثر یہ ہے کہ بعض وقت اس عاشق کا مرشد ہی اس کے عشق کا متعلق ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کو خیال نہیں رہتا کہ شیخ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے فیض کا ذریعہ اور اس کی ہدایت واسطہ ہے اس لیے مجھے شیخ سے محبت ہے۔ اور اس حدیث پاک کو بھول جاتا ہے۔ "لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ"۔

چوتھا اثر علوم و طاعت ظاہری سے لاپرواہی ہے کیونکہ ان علوم کا شغل پراگندہ امور کے انتظام و ترتیب کی قسم میں سے ہے۔ اور عاشق کا مزاج اس کے برعکس ہوتا ہے۔ یہ نتیجہ بھی مردود عشق کا ہے ورنہ عشق حقیقی کا تو مطلب ہی طاعتِ محبوبِ حقیقی علیٰ وجہ الکمال ہے۔ کیونکہ شریعت محبوب حقیقی جل شانہٗ کی رضا کی میزان ہے۔

پانچواں اثر اس کو سمجھنے کے لیے پہلے دو تمہیدیں ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ تمہید نمبر ۱: عاشق مجازی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محض عاشق اور

ایک مقبول عاشق محض عاشق کی مثال یہ ہے کہ ایک گنوار سڑے ہوئے کپڑے پہننے والا جس کے منہ سے بدبو بھی آرہی ہو اس کے ساتھ جاہل بھی ہو اور حکومت کا باغی بھی ہو وہ اگر کسی حسین وجمیل شہزادی کو دیکھ لے۔ اور دل سے اس پر عاشق ہو جائے اور اس سے شادی کا ارادہ کرلے پھر عشاق کے حال کے مطابق گلی کوچے میں روتا چلاتا مارا مارا پھرا کرے تو بے شک اس کو عاشق کہیں گے۔ اور اس کے دلی ارادہ کو بھی سچا کہیں گے۔ حالانکہ اگر شہزادی کو اس کے حال اور ارادہ کی خبر ہو جائے تو اس کو قتل ہی کرا دے گی۔ لیکن اگر اسی طرح کسی دوسرے شخص کو شہزادی کا عشق ہو جائے اور وہ ہمہ تن اپنے کو اس کے قابل بنانے میں لگ جائے حکومت کی خیر خواہی میں سر توڑ کوشش کرے حتیٰ کہ ترقی کرتے کرتے وزیر اعظم کا مرتبہ حاصل کرلے۔ اب اگر شہزادی کو اس کے عشق کی اطلاع ملے تو البتہ وہ شہزادی اس کے حال پر ترس کھا کر اس کو قبول کرلے ایسے عاشق کو مقبول عاشق کہیں گے۔ اسی طرح اللہ کے راستے میں بھی بعض لوگ محض عاشق ہوتے ہیں لیکن وہ مقبول نہیں ہوتے اور یہاں صرف عشق کا ایک اثر بیان کرنا ہے یعنی عشق کا اقتضائے ذاتی بیان کرنا ہے جس میں مقبول اور مردود کی بحث نہیں۔

تمہید نمبر ۲: عشق حقیقی میں مقبول عاشق کو صاحب نسبت کہا جاتا ہے۔ وہ ہر وقت محبوب کے مشاہدہ بمعنیٰ یقین کے ساتھ اس کی یاد میں رہتا ہے اور اس کے ساتھ اپنی ہر حرکت وسکون کو اس کی رضا جوئی کے لیے اور اس کے قانون کے مطابق انجام دیتا ہے یعنی ہر وقت طاعتِ محبوب میں رہتا ہے اور محبوب کی طرف سے بھی اس کے ساتھ مقبولیت کا تعلق ہو جاتا ہے جس کا حقیقی علم تو نہیں ہو سکتا کہ

میان عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبیں راہم خبر نیست

لیکن صاحب بصیرت مشائخ اپنی فراست صادقہ الہام اور دیگر آثار قبولیت سے کچھ اندازہ کر لیتے ہیں یہ تو صاحب نسبت کا حال ہوا۔

اس جگہ نسبت کو سمجھ لینا بھی مفید ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ آدمی جب کسی کام مثلاً موسیقی، خطاطی وغیرہ کی مشق کرتا رہتا ہے تو کچھ مدت کے بعد اس کی طبیعت میں ایک بات راسخ ہو جاتی ہے جس کو ملکہ موسیقی یا ملکہ خطاطی کہیں گے، یہ ملکہ اس شخص کے نفس میں ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔ خواہ وہ شخص اس ملکہ کی طرف التفات کرے یا نہ کرے اور جب وہ شخص مثلاً گانے کا ارادہ کرے یا خوش خط لکھنے کا ارادہ کرے تو اس کے فعل میں اس ملکہ کے آثار ظاہر ہو جائیں گے یعنی وہ بلا تکلف لکھنے لگے گا اور گویا جب گانے کا ارادہ کرے گا تو بلا تکلف گانے لگے گا جبکہ دوسرا انتہائی کوشش کر کے بھی نہیں کر سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس کو کسی ایک گانے یا ایک رسم الخط کی مشق کرنے سے خطاطی یا موسیقی کا ملکہ پیدا ہو گیا۔ اس کو دوسرا گانا گانا اور دوسرا رسم الخط لکھنا بہت آسان ہوگا۔ اور وہ ادنیٰ توجہ سے اس کا ماہر ہو جائے گا۔ پہلے کی طرح مدت دراز تک مشق نہیں کرنا پڑے گی۔ اسی طرح صوفیا کے اذکار و اشغال سے نفس میں ایک اثر ہوتے ہوتے طبیعت میں ایک ملکہ مثلاً یادداشت کا راسخ ہو جاتا ہے جو ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔ اس امر کے سبب طالب کا عالم قدس سے ارتباط ہو جاتا ہے اور یہی امر حق تعالیٰ کی مہربانی سے حق تعالیٰ کے ساتھ طالب کے علاقہ کا موجب ہو جاتا ہے۔ اور وہ امر ہمیشہ طالب کے نفس میں پوشیدہ رہتا ہے، شرعی احکام پر عمل کے وقت وہ فعل کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔ اسی کو نسبت کہتے ہیں یہ ملکہ جتنا راسخ ہوتا جائے گا اتنا ہی پوشیدہ

بھی ہوتا جائے گا۔

ان تمہیدوں کے بعد حبّ عشق کے پانچویں اثر کو سمجھیں۔ شریعت کے امر و نہی میں ایک تو ظاہر ہے۔ کتب فقہ میں جس کے طریقے، قواعد اور شرائط بیان ہوتے ہیں۔ اور ایک باطن ہے۔ وہ اس حکم امر و نہی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور رضا کا ہونا ہے اس چیز کا تعلق عابد کے دل سے ہوتا ہے جبکہ اس کے دل میں ایک کیفیت ہو جسے نسبت کہتے ہیں۔ اور یہ نسبت شریعت کے ہر حکم کو بجالانے کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔ ظاہر ہونا اس طرح کہ عابد کو اس پر التفات ہو جاتا ہے چنانچہ "یطعمون الطعام علی حبہ" اور یریدون وجہہ اس کی طرف اشارہ ہے اور یہ بات یعنی یہ قلبی کیفیت و حال عمل کے ساتھ مل کر اس عمل کو سراسر مغز کے درجہ میں کر دیتا ہے اسی طرح اس ملکہ کے بغیر جب ظاہر شریعت پر عمل کیا جائے تو وہ اعمال بے روح، بے مغز، محض چھلکے کی طرح ہوتے ہیں۔ اس لیے صاحب نسبت کی عبادت کا درجہ عامی کی عبادت سے لاکھوں گنا زیادہ ہوتا ہے۔

نسبت وغیرہ اصطلاحی الفاظ کے بجائے اس کو کیفیت احسان اور اخلاص بھی کہہ سکتے ہیں۔ صاحب نسبت کا حال اس کے تمام افعال اور ہر حرکت اور سکون میں شامل ہوتا ہے اس لیے وہ ہر لمحہ بہت تیزی سے ترقی کرتا رہتا ہے

سیر زاہد ہر شبے یک روزہ راہ
سیر عارف ہر لحہ تا تختِ شاہ

صاحب نسبت احکام شرعیہ کو عقائد اعمال میں فقہ اور اصول کی پوری پوری رعایت اور سینکڑوں باریک آداب و شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے ہر چیز میں اخلاص کو شامل رکھتا ہے۔ اس کو ساری فقہ، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، معیشت اور عقائد کے متعلق مسائل میں محبوب کی مرضی یا محبوب کے

حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کی جستجو ہوتی ہے۔ باریک باریک فقہی مسائل کو غبی لوگ فقہی موشگافیاں کہتے ہیں اور علماء اس کو علمی تحقیقات کا نام دیتے ہیں۔ مگر عارف صاحب نسبت اس کو محبوب کی رضا کی جستجو اور اس کی منشا کے معلوم کرنے کی کوشش کہتے ہیں۔ وہ اسی ایک جذبہ سے سب احکام کو عمل میں لاتا ہے یعنی بے شمار مختلف افعال میں ایک ہی حال کو طاری رکھتا ہے مگر جسے نسبت حاصل نہ ہو محض عشق حاصل ہو تو وہ اس کثرت افعال کو وحدتِ احوال میں منظم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کو تو اپنے مقصود یعنی مشاہدہ اور وصال کے علاوہ کسی طرف دھیان ہی نہیں۔ حتیٰ کہ محبوب کی رضا کی طرف بھی التفات نہیں ہوتا اس لیے وہ شریعت کے مذکورہ ظاہر و باطن کا ربط بھی نہیں سمجھ سکتا لہٰذا کبھی تو یہ شخص ظاہر شریعت پر عامی کی طرح محض ضابطہ پُری کے طور پر عمل کر کے قشر (چھلکا) محض اور خشک زاہد ہو جاتا ہے۔ اور کبھی اس کی پوری توجہ باطن شرع یعنی دل کے تعلق ہی کی طرف ہوتی ہے تو وہ احکامات کے طور طریقوں کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ دل کی نماز دل کی پاکی کی رٹ لگاتا ہے اور ظاہر احکامات کا اعتبار نہ کرنے سے الحاد اور بے دینی میں پڑ جاتا ہے۔

البتہ اگر اپنے ابتدائے عشق میں محبوب کی رضا کو مقصود بنائے ہوئے ہوتا۔ شریعت و سنت کے اتباع کا خوگر ہوتا جس کی وجہ سے مقبول ہو کر صاحب نسبت ہو جاتا تو اب اس کا عشق حبِ عقلی کے ساتھ مل کر شریعت کے ظاہر اور باطن کے ربط کو سمجھتے ہوئے بجا آوری احکام میں اسی عشق کی وجہ سے بہت چستی اور عزیمت دکھلاتا وہ مستحبات کی فقہی تعریف کو عقیدہ میں رکھتے ہوئے دل میں مستحب کا ترجمہ "محبوب کی پسندیدہ بات" کرتا ہے پھر اس پر جان لڑا دیتا ہے علمائے ظاہر کو اس کامل کے زہد و تقویٰ کے واقعات سے حیرت ہوتی ہے کہ شرعی رخصت کے باوجود اتنا اہتمام کیوں کرتے ہیں اور کبھی دوسرا

صاحب نسبت اختلاف ذوق کی بنا پر رخصت پر عمل کرنے میں محبوب کی رضا کا احساس کر کے رخصت پر بھی اس اندرونی جذبہ سے عمل کرتا ہے۔ اس وقت بھی علمائے ظاہر حیران ہوتے ہیں کہ اتنے بڑے بزرگ ہو کر مستحب کو چھوڑتے ہیں بہر حال یہاں تو عشق محض کے آثار میں سے ایک اثر کا بیان کرنا تھا، ظاہر و باطن کے ربط کی ایک اور مثال صاحب نسبت متوکل کے حال سے بھی کچھ سمجھ میں آسکتی ہے کہ وہ تدابیر اور اسباب کو حکم کے مطابق پورا پورا بجالاتا ہے اور دل میں اس تدبیر پر بالکل بھروسہ نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی پر کامل توکل ہوتا ہے جیسا کہ سید المتوکلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنگ اُحد میں دو زرہ پہن کر جانا۔

ذکر و شغل کرنے والے بعض سالکین کی غلط کاریوں اور گمراہیوں کے متعلق سید احمد شہیدؒ اور دیگر اکابرین کے ارشادات

نمبر ۱۔ فرماتے ہیں کہ جو اذکار اور شغل اور مراقبے اور مقام کہ اولیائے کرام نے خلاصہ کر کے لکھے ہیں اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سالکوں کو وہی امور پیش آتے ہیں اور انہی اذکار و اشغال سے وہ مقامات پر پہنچتے ہیں مگر جو عنایتیں اور برکتیں کہ بارگاہ عالی سے پے در پے اولیاء عظام کے بارے میں ہوا کرتی ہیں۔ سالکوں کے دماغ میں ان کی بو بھی نہیں پہنچتی اور ہرگز وہ آثار مرتب نہیں ہوتے سہ

خواجہ پندارد کہ مرد واصل است
حاصل خواجہ بجز پندار نیست

پس ان آثار کی عدم موجودگی کی صورت میں اس امر کی جستجو اور تلاش ضروری

ہے جو مقبولیت سے مانع ہوتا کہ اس کو دور کیا جائے۔ اور حقیقی مطلوب حاصل ہو ان میں سے ایک چیز بدعتوں کا اختیار کرنا دوسرے بُرے اخلاق سے آلودہ ہونا تیسرے ادائے طاعات میں لاپرواہی کرنا، دوسری جگہ فرماتے ہیں جو شخص سلوک کے مراتب طے کرنے کے باوجود آثار عنایت کا مورد نہ بنے تو بے شک تمام رذائل یا بعض رذائل کے آثار اس میں موجود ہوں گے پس ان امور کا موجود ہونا عنایات الٰہی کے ورود کا مانع ہوتا ہے۔

لہٰذا مانع کو دور کیے بغیر بارگاہ قبولیت میں پہنچنے کو محال سمجھیں اگرچہ معرفت کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن عنایت اور قبول کے راستہ سے نہیں بلکہ ایک دوسرے دروازہ سے پہنچتے ہیں جہاں مقبول اور نامقبول کی کوئی پرسش نہیں ہے۔

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں فرماتے کہ جذب راہ ہے نہ درگاہ (یعنی جذب طریق ہے مقصد نہیں اس لیے) بعد طے راہ جذب کے، وہی طریقۂ صحابہ کہ عبدیت کا مقام ہے اختیار کرنا اور عبادت و عاجزی کا معاملہ کرنا واجب ہوتا ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے ہیں وصول مطلوب نہیں قبول مطلوب ہے اور نفس و شیطان جو کہ قبولیت حق کی بارگاہ میں کتے اور دربان کے درجہ میں ہیں، ان کو نہیں چھوڑتے کہ اس مقام تک پہنچ جائیں۔

اعمال صالحہ کو اختیار کرنے اور رذائل سے خالی ہونے اور نیک عادتوں کے ساتھ مزین ہونے کے سوا شیطان اور نفس کی شرارتوں سے بچ کر اس مقام پر پہنچنا ممکن نہیں (موانع کا مفصل بیان فصل دوم میں آئے گا)

جب اپنے دل کو رذائل سے پاک کرنے کی کوشش کرتے ہوئے احکام شرعیہ پر چست و چالاک ہو کر سلوک کی راہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے فضل

سے یقین ہے کہ سلف کی طرح عنایات الٰہی کا مورد ہوگا اس کی عنایت کا کوئی ٹھکانا نہیں جو لوگ اس کی عنایت سے ممتاز ہوئے ہیں وہ بھی اسی قسم کے آدمی ہیں اور جو لوگ اس کی عنایت سے محروم ہیں وہ بھی اپنے ہی قصور سے محروم ہیں۔" وما ظلمناھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون "

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی جو تو کسی قابل ہوتا

فائدہ: گزشتہ اوراق میں سلوک کے متعلق جو کچھ تحریر ہوا وہ شرعی اور عقلی دلائل کے ساتھ لکھا گیا اور یہ سب مشائخ شریعت وطریقت کے آئمہ کی تحریرات ہیں جو کہ اکثر " ارشاد الطالبین" اور "صراط مستقیم" سے ماخوذ ہیں، ذکر و شغل سے پیدا شدہ عشق کے جو آثار بیان ہوئے یہاں ان پر خاص طور سے متوجہ کرنا ہے۔ حصول مقصد کے لیے عشق بہت ضروری ہے جیسا کہ اس کے ثمرات کے بیان سے معلوم ہوا اور اس سارے رسالہ کا موضوع ہی عشق کے ثمرات اور ضرورت کا بیان ہے لیکن یہی عشق جب بے مقصد اور بغیر شرائط کے حاصل کیا جائے تو دینی لحاظ سے بہت نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کے آثار کے بیان سے ظاہر ہوا یہی وجہ ہے کہ محض ذکر و شغل سے پیدا شدہ احوال و کیفیات اور معرفت اور وصول تک مقامات طے کر لینے کے باوجود بعض صوفی دینی اعتقادات اور اعمال سے بے پرواہ ہو کر الحاد اور بے دینی میں پڑ جاتے ہیں اور بعض شریعت کے ظاہر و باطن کا ربط نہ سمجھنے کے باعث ظاہری اعمال پر بغیر ایمان و احتساب عمل کر کے زاہد خشک ہو جاتے ہیں۔ اور بعض صفائی معاملات اور درستی اخلاق سے بے فکر ہو کر اپنے باطنی احوال ہی میں مگن رہتے ہیں اسی طرح شرک و بدعت اور خلاف شرع امور میں مبتلا رہتے ہیں۔ حالانکہ ان میں بعض بہت

مجاہدے عبادات، خلوت وغیرہ میں رہتے ہیں جس سے ان کو انوارات کا مشاہدہ اور کشف کونی (غیبی مخلوقات) وغیرہ بھی ہونے لگتا ہے۔ جو ریاضت کا اثر ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے مزید گمراہی اور عجب میں پڑ کر حق بات ماننے بلکہ سننے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی لال پیلے ہو جاتے ہیں۔

ان سب امور یا ان میں بعض کی وجہ سے وہ خود قبولیت اور عنایت الٰہی کے ورود سے محروم رہتے ہیں اور دوسروں کے لیے سلوک اور پورے دین سے دوری کا باعث بنتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر سلوک کے اذکار و اشغال کو آداب شرعیہ کے ساتھ ملا کر نہ اختیار کیا گیا ہو تب بھی معرفت ذات حق تک وصول حاصل ہو سکتا ہے لیکن رد و قبول اس وصول کے سوا دوسری چیز ہے۔

مردود ان درگاہ الٰہی کو اس مقام تک پہنچ جانا اس کے قائم مقام ہے کہ ایک ڈاکو بڑی کوشش کر کے شاہی قلعہ تک پہنچ جائے تو غضب شاہ میں گرفتار ہو جائے گا یہی حال اس بے دین طالب کا ہے جو معرفت ذات تک پہنچ گیا ہو۔ ایسے لوگوں کو شریعت و طریقت کا فاسق کہا جاتا ہے اور ان خلاف شرع پیروں فقیروں سے طریقت پر کوئی دھبہ نہیں آتا۔ اس مبارک راستے کی مخالفت کرنے والوں کا ایسے لوگوں کی مثال دینا محض جہالت اور ضد ہے۔ لیکن ان پہنچے ہوئے ذاکر شاغل سالکین کا ایک اور مقدس طبقہ ہے جو شریعت و طریقت کے ظاہر کی تمام باریکیوں کو اختیار کیے ہوئے ہے کشف کونی مکاشفات کرامات کا بھی حامل ہے توجہ کی تاثیر بھی رکھتا ہے اور بعض مخلص طالبین کو ان سے نفع بھی ہوتا ہے۔ گو عموماً ان سے مناسبت انہیں طالبین کو ہوتی ہے جن کی طبیعت میں کجی ہوتی ہے کہ ٹیڑھے پاؤں میں ٹیڑھا جوتا ہی پورا آتا ہے۔ یہ طالبین معاملات و اخلاق کے خود بھی بہت گندے ہوتے ہیں، اور تکبر و فوں فاں کو بزرگی کے لوازمات سے سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کی ضروریات

سودی کاروبار، مقدمہ بازی، مال وجاہ میں ترقی کے لیے تعویذات وعملیات
ان کو اسی جگہ سے مل سکتے ہیں۔ اس مقدس طبقہ کی ظاہر حالت کے شرعی احترام
کی وجہ سے شخصی طور پر کچھ کہا بھی نہیں جاسکتا۔ ان میں بعض مقاصد طریق سے
کورے ہی نہیں بلکہ مقاصد سے بالکل ضد اور الٹی حالت والے ہوتے ہیں۔
اس لیے طریق کی عظمت اور حقانیت کو خاک میں ملا دینے والے یہی حضرات
ہوتے ہیں۔ ان کو منافقین طریقت کہنا چاہیئے مخالفین طریق جب اس طبقہ
کو مثال میں پیش کرتے ہیں تو جواب مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ منافقت اور
خباثت کا تعلق باطن سے ہے اس میں سے جو چیز ظاہر ہوتی ہے وہ مشتبہ
اور ذو وجہین ہوتی ہے۔ مثلاً ہر حرکت وسکون میں تکبر و رعونت کا مظاہرہ
بلا تکلف جھوٹ، وعدہ خلافی کی عادت لین دین میں بد معاملگی اور دھوکہ
قرض لے کر بھول جانا، جاہ و مال کے حصول میں حرص و تنافس اور آپس
میں حسد بغض اور کھلے دنیاداروں سے مداہنت وغیرہ ان میں بعض چیزوں
کا تعلق تو محض نیت سے ہوتا ہے اور بعض باتوں کا تعلق فریق ثانی سے ہوتا
ہے۔ اس لیے شخصی طور پر کسی ایک کا نام لے کر کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن واقعات
کے پے در پے ثبوت پر اصل طریقت سے ناواقف صاف بول اٹھتا
ہے کہ رہنے دو ایسے تصوف اور نسبت کو ان کرتوتوں کا کیا جواب ہے۔
ایسے صوفیاء کے احترام میں ان باتوں کو چھپانے اور تاویلیں کرنے کی کوشش
کرنا اس مبارک طریق پر ظلم ہے۔ لہٰذا اس صورت حال کی وضاحت
ضروری ہے تاکہ طریق کے متعلق حق جو اور سلیم الفطرت حضرات کے شکوک
دور ہوں اور ہم جو اپنی حالت پر قناعت کیے ہوئے مست ہیں متنبہ ہو کر
اپنی اصلاح کی فکر کریں اس صورت حال کی اول وجہ یہ ہے کہ اشغال کو
شروع ہی سے آداب شرعیہ سے ملا کر مشائخ حقہ کے طریق کے مطابق اختیار

نہیں کیا جاتا (جس کا مفصل بیان آگے آرہا ہے) اور مقاصد کو پیش نظر رکھ کر
اپنے قلب کی اصلاح کی نیت نہیں کی جاتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سلوک
متعارف کا نصاب ختم کرکے جس کو سلوک الی اللہ کہا جاتا ہے وہاں تک پہنچ
کر اپنے کو کامل سمجھ کر فارغ ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ یہ اس راستے کی ابتداء ہے
کیونکہ جس جگہ مردودانِ درگاہِ الٰہی بھی پہنچ جاتے ہیں۔ وہ مقصد نہیں ہوسکتا۔
مقصد اس کے آگے ہے۔ جس کو سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ اس کو جذبہ جلی
بھی کہا جاتا ہے۔ اس جذبہ تک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
شریعت یعنی مامورات و منہیات اور مرضیات و مکروہات کی میزان پر پورا
پورا اترے اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سانچے میں ڈھلے
بغیر پہنچنا ہرگز ممکن نہیں مامورات و منہیات کے ہر باب میں عزائم شریعت
کا اختیار کرنا اس مقام کے لوازمات سے ہے لیکن اکثر ہوتا یہ ہے کہ شروع
سلوک میں تو کچھ جوش و خروش ہوتا بھی ہے نصاب ختم کرنے کے بعد
بے فکری کی وجہ سے بجائے ترقی کے تنزل شروع ہوجاتا ہے لیکن آگے جو
طریقہ کی ترتیب بیان ہوگی اگر اس طرح عمل کیا گیا تو انشاء اللہ سلوک اول، یعنی
وصول تک پہنچنے کے ساتھ ہی قبولیت کے آثار بھی شروع ہوجائیں گے یعنی نسبت
معتبرہ حاصل ہوجائے گی۔ چنانچہ الحکم میں ہے، ابتداء سلوک میں اللہ تعالیٰ کی
طرف رجوع ہونا انتہاء سلوک میں کامیابی کی علامت ہے اور دوسری جگہ ہے
کہ جس کی ابتدائے سلوک اوراد کے التزام کے ساتھ ہوگی۔ اس کی نہایت
سلوک بھی انوار و معارف کے ساتھ روشن ہوگی (ان دونوں باتوں کی شرح
اکمال شیم میں دیکھیں) اس لیے ضروری ہوا کہ اس مبارک راستہ کے اشغال
کو آداب شرعیہ سے ملا کر مشائخ حقہ کے طریق اور ترتیب و تدریج کے مطابق
اختیار کیا جائے تاکہ مقبول عشاق میں داخل ہو کر نسبت باطنی معتبرہ حاصل ہو کر

محبوب حقیقی کی رضا جو کہ مقصد اصلی ہے حاصل ہو۔

محبت کے راستہ میں قبولیت

اتباع سنت، اتباع شریعت اور تقویٰ و تواضع کے بغیر محال ہے۔ کیونکہ محبوب حقیقی جل شانہٗ کا خود ارشاد ہے: اَن اولیاءُہٗ الّا المتقون "یعنی متقی لوگ ہی اس کے دوست ہیں اور نیز اور ارشاد ہے: "قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ" یعنی اے میرے حبیب اپنی امت سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو (سنت کی پیروی کرو) تو اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب بنالے گا۔

اس کے بغیر عشق عشق چاہے جتنا رٹتے رہو وہاں کوئی مقبولیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی بندگی کے لیے پیدا فرمایا، ہو، ہا اور خونخواری کے لیے نہیں پیدا کیا معرفت وعشق کا یہاں مطلب ہی ارادہ طاعات علی وجہ الکمال ہے اور کیفیات اگرچہ محمود ہیں مقصود نہیں۔ چنانچہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ اپنے ایک مکتوب میں نسبت یادداشت کے حصول پر فرماتے ہیں کہ اب اس میں یادداشت کے ساتھ حیا، جو باعث تقویٰ و تواضع ہے مالک حقیقی کی ہونا ضروری ہے جیسا کہ ہم اپنے کسی بڑے منعم ذی جاہ کے سامنے کوئی سُبک حرکت خلاف رضا نہیں کر سکتے، ایسا ہی معاملہ خلوت میں اپنے اس حاضر و ناظر مولیٰ سے ہونا چاہیئے تاکہ حضور مسمّٰی مصداق پورا ہو جائے کہ اپنی ہر حرکت کو پیش نظر اس مالک تعالیٰ جان کو میزان شرع کہ قانون رضا ہے ناپ تول کا دھیان رہے۔ الغرض ہر کام کو بحضور ذات تصور کرنا اور اس کی مرضی و غیر مرضی دریافت کر کے ترک و عمل کرنا چاہیئے۔ اس کا ہی نام احسان ہے۔

لہٰذا اگر کسی کو کثرت ذکر سے ملکۂ یادداشت اور دیگر متعلقہ احوال رفیعہ حاصل ہوں مگر تقویٰ و تواضع حاصل نہ ہو۔ تو سمجھنا چاہئیے کہ اس کو ابھی تعلق باللہ یا نسبت حاصل نہیں ہوئی۔ اور محسن یا ولی اللہ نہیں کہلا سکتا اس لیے کہ جس درجہ کی صفتِ احسان حاصل ہوگی وہ اسی درجہ کا متقی اور متواضع ہو جائے گا خواہ یہ صفت چند روز کے بعد پیدا ہو جائے کیونکہ یادداشت لازم اور نسبت ملزوم ہے۔

حضرت شیخ زاد مجدہم نے اپنے رسالہ "اکابر علمائے دیوبند" میں اتباع سنت کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے۔

" اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ "۔ (اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنی امت سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا)

درمنثور میں کثرت سے روایات ذکر کی گئی ہیں کہ بہت سے لوگوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ جل شانہٗ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اتباع کو اپنی محبت کے لیے علامت قرار دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس کے تابع نہ بن جائیں جو میں لے کر آیا ہوں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی آیۃ کی تفسیر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ میرا اتباع کرو نیک کاموں تقویٰ، تواضع میں، اور اپنے نفس کو ذلیل سمجھنے میں۔

حضرت حسن بصریؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت اتباع سُنّت ہے۔

حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "میں نہ پاؤں کسی کو اپنی مسند پر ٹیک لگائے ہوئے کہ اس کے پاس میرے اوامر میں سے کوئی امر آئے یا نواہی میں سے کوئی نہی آئے اور وہ کہے کہ ہم نہیں جانتے جو قرآن میں ہمیں ملے گا۔ اسی پر عمل کریں گے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص۲۹)

مشکوٰۃ شریف میں مقدام بن معد یکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے آپ نے فرمایا کہ "مجھے قرآن دیا گیا اور قرآن ہی کے برابر دوسری چیزیں (یعنی سُنّت) قریب ہے کہ کوئی آدمی پیٹ بھرا اپنی مسند پر ٹیک لگائے ہوئے یہ کہے کہ تم لوگ صرف قرآن ہی کو لو جو اس میں حلال پاؤ اس کو حلال سمجھو اور جو حرام پاؤ اس کو حرام سمجھو حالانکہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حرام فرمایا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے (یعنی جس چیز کی حرمت یا حلت حدیث سے ثابت ہو وہ ایسا ہی ہے جیسے قرآن سے ثابت ہو)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے "پیٹ بھرا" کا لفظ اس وجہ سے ارشاد فرمایا کہ اس قسم کی خرافات جب ہی سوجھتی ہیں جب لذائذ میں آدمی ہو فقر و فاقہ اور تنگدستی میں یہ حماقتیں نہیں سوجھتیں۔

دوسری حدیث پاک میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی مضمون نقل کیا گیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"تم میں سے کوئی شخص اپنے گاؤ تکیہ پر کمر لگائے یہ سمجھتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بجز اس کے جو قرآن پاک میں ہے حرام نہیں کی، خبردار! خدا کی قسم میں نے

بھی کچھ چیزوں کا حکم دیا ہے۔ اور نصیحت کی ہے ۔ اور بہت سی چیزوں سے روکا ہے وہ بھی قرآن کی مقدار میں ہے بلکہ زیادہ ہی ہے (مشکوٰۃ ص۲۹)

اس حدیث میں "گاؤ تکیہ پر کمر لگائے" کا مطلب وہی ہے جو پہلے میں "پیٹ بھرنے" کا تھا کہ ایسی حماقتیں ثروت ہی میں سوجھتی ہیں، ان صفات کے ذکر کرنے سے مطلب یہ ہے۔ کہ یہ لغویات جب ہی سوجھتی ہیں۔ جب تنعم بہت بڑھ گیا ہو جیسا کہ متکبرین و متجبرین کی عادت ہے۔ جن کا دین کے معاملہ میں اہتمام بہت کم ہوتا ہے اپنے گھر میں تنعم میں پڑے رہتے ہیں۔ علم کے سیکھنے سکھانے سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔

حضرت عرباضؓ ہی سے ایک اور حدیث نقل کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر بڑا بلیغ وعظ فرمایا کہ جس سے آنکھیں بہہ پڑیں، قلوب دہل گئے، ایک آدمی نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ تو ایسی نصیحت ہے جیسے رخصت ہونے والا خاص نصیحت کرتا ہے۔ لہٰذا ہمیں کوئی (خاص) نصیحت فرمائیے۔ تو آپؐ نے فرمایا ..... میری سنت اور راور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور دین میں نئی باتوں سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مشکوٰۃ ص۲۹)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جس نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد چھوڑ دی گئی تھی۔ تو اس کو اتنا اجر ملے گا۔ جتنا عمل کرنے والے کو ملے گا۔ اور ان کے اجروں میں کوئی کمی نہ ہوگی اور جو کوئی دین میں نئی چیز پیدا کرے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کو ناپسند ہے تو اس کو عمل کرنے والوں کے برابر گناہ ملے گا اور ان کے گناہوں میں کو کمی نہ ہو گی۔

(مشکوٰۃ ص۳۰)

نیز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ امت گمراہی پر اکٹھی

نہیں ہوسکتی۔ اور اللہ تعالیٰ کی مدد جماعت کے ساتھ ہے۔ جو جماعت سے نکلے گا جہنم میں جائے گا۔ (مشکوٰۃ ص۳۰)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جس نے میری سنّت سے محبّت کی اس نے گویا مجھ سے محبّت کی اور جس نے مجھ سے محبّت کی وہ میرے ساتھ جنّت میں ہوگا۔ (مشکوٰۃ ص۳۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا ہے کہ جو کوئی میری سنّت پر عمل کرے۔ میری امّت کے فساد کے وقت تو اس کو سو شہیدوں کا اجر ملے گا۔ (مشکوٰۃ ص۳۰)

نیز ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع بغیر چارہ نہ ہوتا۔ (مشکوٰۃ ص۳۰)

مؤطا امام مالک میں حدیث مرسل نقل کی گئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو کسی بدعتی کی تعظیم کرے تو اس نے گویا اسلام کے منہدم کرنے میں اعانت کی۔ (مشکوٰۃ ص۳۱)

..... امام زہریؒ کا قول ہے کہ ہمارے اکابر فرمایا کرتے تھے کہ سنّت کو پختہ پکڑنا نجات ہے۔

اور حضرت امام مالکؒ کا ارشاد ہے کہ سنّت مثل کشتی حضرت نوح علیہ السلام کی ہے۔ جو اس میں بیٹھ گیا وہ بچ گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ غرق ہوگیا۔

(العبودیۃ ص۴۷ (اکابر دیوبند ص۴۷)

اسی طرح جو سعادت مند حضرات وصول الی اللہ کے ساتھ مقبولیت کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسلام کے ظاہری احکام کی پوری پابندی کے بعد اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کے لیے ایمان و یقین اور معرفت و احسان کے مراتب حاصل کرنے کی کوشش میں ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ان کے اعمال میں روح پیدا ہو اور

وزن دار بن جائیں۔ اور حق تعالیٰ ان کو اپنی معرفت بخشیں وہ احباب اس بات کا یقین کر لیں کہ حق جلّ وعلا کی بارگاہ نہایت پاک اور ہر عیب سے غایت درجہ منزہ ہے اس لیے اس سے ملنے کا راستہ بھی پاکی اور پاکیزگی چاہتا ہے۔ معصیتوں کی گندگیوں سے بھرا ہوا شخص اس بارگاہ کے لائق نہیں۔ اس راہ کا طریقہ اخلاق کا سنوارنا ہمیشہ خدا کی طرف لَو لگائے رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے یعنی اس کا طریقہ تہذیب اخلاق ہے کہ بخل، حسد، ریا اور کبر خود نمائی وغیرہ تمام اخلاق ذمیمہ دور ہو کر سخاوت، اخلاص، تواضع، تذلّل، عاجزی، جملہ اخلاق پسندیدہ حاصل ہو جائیں تاکہ وصول الی اللہ کی استعداد پیدا ہو، اس کے بغیر عبادت کی کثرت بھی زیادہ مفید نہیں ہوتی، کیونکہ رذائل کی وجہ سے اعمال ضائع اور ناقص ہو جاتے ہیں۔ اور چونکہ یہ راستہ (سلوک واحسان) حقیقی سعادت اور بڑی کامیابی کا ہے۔ اس لیے شیطان بھی اس راستہ میں چلنے والوں کی کوششوں کو بے کار کرنے میں پوری محنت سے کام لیتا ہے اور اس کی تدبیر اس طرح کرتا ہے کہ باطنی اخلاق کی درستی جو ان کا اصل موضوع ہے۔ اس کے خلاف رذائل اور بُری عادتوں میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس کے لیے نظام یہ بناتا ہے کہ ظاہری گناہوں سے تقویٰ اور عبادت کی کثرت میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا۔ لیکن اندر ہی اندر ام الامراض یعنی تکبّر کو بڑھاتا رہتا ہے جس سے سب کیا کرایا ضائع ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہمہ تن مشغول آدمی ایک عام دنیادار انسان کے درجہ سے بھی گر جاتا ہے اور وہ مہذّب ہونے کی بجائے باطنی رذائل کا مجموعہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ مقصود تو بندگی تھی نہ کہ خدائی اور بندگی کا تقاضہ یہ ہے کہ بندہ اپنی عاجزی، ذلت، تواضع و گمنامی میں زیادہ سے زیادہ پختہ ہو لیکن ہوتا یہ ہے کہ وہ کبر وعجب، حبّ جاہ اور شہرت پسندی میں پڑ جاتا ہے۔ اور ان رذالتوں میں عام دنیادار آدمی کو بھی مات کر دیتا ہے۔ کیونکہ

ظاہری علم وعمل کے دھوکہ میں ڈال کر شیطان اسے ان امراض کا احساس ہی نہیں ہونے دیتا اور جب کبھی معاشرت و معاملات میں اس کے چھپے ہوئے رذائل کا احساس ہوتا ہے تو دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں۔ کہ اتنے متقی بزرگ کی یہ حرکات؟
لیکن جو حضرات اس راستہ کو مشائخ حقہ کی رہنمائی میں طے کرتے ہیں ان کو جو حضوری نسبت اور احسانی کیفیت حاصل ہوتی ہے اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے تعلق کے مقابلہ میں سارے تعلقات فنا ہوجاتے ہیں اور پھر اس کے تمام ظاہری اور باطنی اعمال مثلاً دوستی، دشمنی، کسی سے ملنا اور کسی سے نہ ملنا، لینا اور دینا سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہونے لگتے ہیں یہی وہ مقام اخلاص ہے۔ جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"من احب للّٰہ وابغض للّٰہ واعطی للّٰہ ومنع للّٰہ فقد استکمل الایمان۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)
یعنی جس کا حال یہ ہو کہ وہ جس سے محبت کرے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کرے اور جس سے بغض رکھے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے رکھے اور جس کو دے اللہ ہی کے لیے دے اور جس کے دینے سے ہاتھ روکے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے روکے تو اس نے اپنا دین کامل کر لیا۔ اس دولت کا اعلیٰ ترین درجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ تھا اور اس کی وجہ سے علم و معرفت اور تقویٰ وخشیت میں بھی سب سے بلند مقام آپ ہی کا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر ارشاد بھی فرمایا: "وان اتقاکم واعلمکم باللّٰہ انا۔" (صحیح بخاری کتاب الایمان صلے)
میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور اس کا ادب ولحاظ کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے متعلق علم ویقین میں بھی سب سے زیادہ حصہ میرا ہی ہے۔ پھر آپ کے فیض صحبت سے یہ دولت اپنی اپنی استعداد اور اپنے اپنے احوال کے مطابق صحابہ کرام کو بھی بالعموم حاصل تھی اور ہر دور کے اولیاء اللہ کا خاص

سرمایہ بھی یہی دولت رہی ہے۔ یعنی نورِ یقین اور اس سے پیدا ہونے والا رابطۂ عبدیت اور کیفیتِ خشیت و محبت، تصوّف کے سارے اذکار و اشغال اور مجاہدات کا مقصد و منتہی یہی ہے۔ ہمارے اس صدی کے ربّانی عالم اور محقق صوفی حضرت مولانا گنگوہی نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ اپنے ایک مکتوب میں اسی نورِ یقین کے بارے میں فرماتے ہیں:

"یہ انتہا سب طرق کی ہے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین" نے تمام خان ومان اور آبرو و جان کیوں دی تھی؟ کیا دیکھا تھا؟

یہی فیض صحبت فخر عالم علیہ السلام سے یقین حاصل ہو گیا تھا... پس اس پر مدار سب کام کا تھا۔ حضرت سیدی عبدالقادر جیلانی اور خواجۂ خواجگان معین الدین چشتی اور سید الطائفہ بہاالدین بخاری کیوں بڑے ہو گئے؟ اس یقین کے سبب بڑے ہوئے تھے۔"

چند سطور کے بعد فرماتے ہیں:

"اس نسبت کا نام احسان ہے کہ بعثت جناب فخر رسل علیہ السلام کی اس کے ہی واسطے تھی اور صحابہ جملہ اس نسبت کے حامل تھے۔ علیٰ حسب مراتبہم پھر اولیاء امت نے اس کو دوسرے طریقہ سے پیدا کیا۔" (مکاتیب رشیدیہ صا۸)

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے ناظرین کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ دین میں "احسان" کا مقام کیا ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے اور یہ بھی کہ طالبوں کے لیے اس مقام تک پہنچنے کی شاہراہ وہی ہے جس کو ہمارے عرف میں سلوک و طریق کہتے ہیں۔

اعتذار

طریق کی وضاحت کرنے میں ہم نے صرف بزرگوں کے اقوال اور ضرب المثل اشعار پر اکتفاء نہیں کیا مثلاً صحبت کی ضرورت میں ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

کو بطور دلیل نہیں لکھا بلکہ صحبت کی تاثیر کو احادیث اور عقلی دلائل سے بیان کیا۔ اسی طرح دل کی اصلاح کی ضرورت کو بھی حدیث پاک سے ثابت کیا اور ذکر سے مذکور کی محبت پیدا ہو جانا اگرچہ مشاہد ہے، لیکن ہم نے محبت پیدا ہونے میں ذکر کی تاثیر کو عقلی طور سے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اسی طرح پیدا شدہ محبت کے ثمرات اور اس کے آثار کے تمام پہلو بیان کئے یہ مضامین حضرت سیّد شہید قدس سرہٗ کے ملفوظات "صراط مستقیم" میں بہت عجیب انداز سے بیان ہوئے ہیں، لیکن بعض عبارتیں بہت مشکل اور مجمل ہیں جس کو ہم نے مثالیں دے کر اور تمہیدات قائم کر کے آسان طریق پر سمجھانے کی اپنی سی کوششیں کی ہیں لیکن اس میں اتنی کامیابی نہیں ہو سکی کہ اس تسہیل کو بھی ہر عام آدمی آسانی سے سمجھ سکے صرف کچھ اہل علم اور ان امور کو عقلی طور پر سمجھنے کے شائقین ہی فائدہ اٹھائیں گے، لیکن اس راستہ پر چلنا اس کے سمجھنے پر موقوف نہیں ہے۔ جیسا کہ شروع میں بھی عرض کر دیا تھا۔

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

اور طریق کار بہت آسان ہے آگے انشاء اللہ اسی کا بیان ہے۔

تو جو رہرو ہر قدم پر کھا رہا ہے ٹھوکریں
لنگ خود تجھ میں ہے ورنہ راستہ ہموار ہے

رہبر طریق کی تلاش

اس کے بعد معلوم ہونا چاہیئے کہ اس فن کے ائمہ اور ماہرین سب اس پر متفق ہیں اور سلوک کے تمام سلسلوں کا یہی تعامل بھی ہے کہ اس راہ کو طے کرنے کے لیے کسی رہنما کی رہنمائی ضروری ہے۔ یعنی جس طرح کوئی شخص صرف طب کی کتابیں دیکھ کر اپنی اور دوسروں کی بیماریوں کا علاج نہیں کر سکتا اور اگر کرے تو غلط اور خطرناک ہے۔ اسی طرح اس روحانی معالجہ میں بھی کسی ایسے روحانی طبیب سے استفادہ اور اس کی ہدایات و تجاویز کا اتباع ضروری ہے جو طریقہ پر چل کر یہ مقصد یعنی احسانی کیفیت اور رابطہ مع اللہ پیدا کر چکا ہو اور اس راہ کے گرم و سرد سے واقف ہو اس لیے طالب کا پہلا کام اور پہلا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ اپنی رہنمائی کے لیے اپنی مناسبت کے لحاظ سے وہ کسی صاحب نسبت اور صاحب ارشاد بندہ کا انتخاب کرے اور اس سے علاج اور رہنمائی کا طالب ہو اسی کا نام ارادت ہے۔

اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ ایسے بندگان خدا کی روز بروز کمی ہوتی جارہی ہے لیکن الحمدللہ دنیا ابھی اللہ والوں سے خالی نہیں ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے اب بھی موجود ہیں۔ جن کے بارے میں اپنے محدود بشری علم و اندازہ کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہمارے اس زمانہ میں اس دولت و نسبت کے وارث و امین ہیں اور ان کی رہنمائی میں اس راہ پر چلنے والے اور محنت و مجاہدہ کرنے والے مخلص طالب انشاء اللہ محروم نہیں رہیں گے۔

اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ جو شخص بھی کہیں پیر بنا بیٹھا ہے، اس راہ کی رہنمائی کا اہل ہے کون اس صورت حال سے ناواقف ہے کہ آج کل جس طرح عالموں، طبیبوں اور ڈاکٹروں میں ناقص و کامل اور اصلی و نقلی سب طرح کے ہوتے ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہاں نقل اصل سے بہت زیادہ ہے۔ لیکن جس طرح دوسری لائنوں میں اصلی و نقلی کو پہچانا جا سکتا ہے۔ اسی طرح تصوّف کی اس لائن میں بھی اہل و نا اہل کا پہچاننا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔ اس راہ کے محققین جو علم و شریعت کے بھی ماہر ہیں (مثلاً قریبی زمانہ کے بزرگوں میں حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت قاضی ثناء اللہؒ) انہوں نے سنّت کے ارشادات اور اپنی دینی فہم و فراست اور اس راہ کے تجربہ سے اللہ تعالیٰ کے صادق بندوں کی ایسی علامتیں لکھ دی ہیں، جن سے اہل قلوب و اصحاب ارشاد کو پہچانا جا سکتا ہے۔ سب سے بڑی نشانی ان بزرگوں نے اللہ تعالیٰ کے صادق اور صاحب نسبت و ارشاد بندوں کی یہ لکھی ہے کہ تقویٰ و اتباع شریعت کے ساتھ ان کی یہ کیفیت ہو کہ ان کے قریب رہنے سے خدا یاد آتا ہو، دنیا کی محبت کم ہوتی ہو اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور آخرت کی فکر بڑھتی ہو، اور ان کی رہنمائی میں اس راہ پر چلنے والوں میں یہ چیزیں صاف معلوم ہوتی ہیں۔

پس طالب کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی ایسے بندے کو یا تو خود تلاش کرے یا اگر دوسرے ثقہ اور اصحاب نظر کے اثرات بتانے سے کسی بزرگ کے متعلق اس بارے میں اطمینان ہو جائے اور ان کی خدمت میں پہنچ کر وہ اطمینان اور بڑھے تو پھر ان کی طرف رجوع کرے اور ان سے رہنمائی کا طالب ہو اور پھر ان کی تجاویز و ہدایات کی اس طرح پیروی کرے اور پابندی کرے جس طرح جسمانی مریض اپنے معالج طبیب کے نسخہ اور ہدایات کی پابندی کرتا ہے۔ اگر ایسا کیا گیا تو انشاء اللہ تعالیٰ محرومی نہیں رہے گی اور اللہ تعالیٰ اس نور یقین اور اس

احسانی کیفیت کا کوئی حصّہ ضرور نصیب فرمائیں گے جس سے دین وایمان کی تکمیل ہوتی ہے اور ایمان بالغیب مثل ایمان بالشہود کے ہوکر ہر قسم کے شک وشبہ اور وسوسہ سے محفوظ ہوجاتا ہے اور جس کے نتیجے میں پوری زندگی احسانی زندگی بن جاتی ہے۔ (دین وشریعت ص۲۷۷)

ہم سلوک کے تین مرحلے کہتے ہیں۔ ابتداء، متوسط، انتہاء

محبّت کے راستے کا ابتدائی نصاب یا احسان کا عمومی درجہ

یہ نصاب ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے خواہ وہ کسی سے بیعت ہو یا نہ ہو اور جو حضرات عشق واحسان کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنا چاہیں ان کے لیے یہ ابتدائی نصاب لازمی اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے اس کو کامل طور پر اختیار کئے بغیر سلوک کے اذکار واشغال اختیار کرنا بجائے نفع کے غلط نتائج پیدا کریں گے۔ اس درجہ کے معمولات کو اگر کسی سے بیعت ہو کہ اس کی نگرانی اور تجویز سے عمل میں لایا جائے گا تو زیادہ باعث برکت ہوگا۔

مرشد عالم حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کے سلسلے میں بیعت ہونیوالوں کے لیے ابتدائی معمولات کا پرچہ چھپا ہوا ہے۔ لیکن یہاں ایک عمومی لائحہ عمل پیش کرنا ہے۔ اس لیے پرچہ مذکور پر کچھ اضافہ کرکے نمبروار بیان کیا جاتا ہے۔

۱- سب سے مقدم چیز ایمان اور عقائد کی درستگی اور پختگی ہے۔ کیونکہ عقیدہ اگر خراب ہو یا کسی قسم کے اعتقادی شرک میں مبتلا ہو۔ تو ہر عمل اکارت ہے لہٰذا عقائد اہل سنت وجماعت کو معلوم کرے اور پھر طہارت، نماز، روزہ، ارکانِ اسلام اور معاملات کے ضروری ضروری مسائل حلال، حرام، فرض، واجب وغیرہ کو معلوم کرے اتنا علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور بہت آسان ہے "تعلیم الاسلام"

"بہشتی زیور" یا "مالابد منہ" وغیرہ آسان اردو کے رسائل کے مطالعہ سے صرف چند روز میں حاصل ہو سکتا ہے۔

۲۔ اس کے بعد اپنے اخلاق کی درستگی کی فکر کرے، مکمل اور حقیقی اصلاح تو عشق اور احسانی کیفیت پیدا ہونے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے جب کہ فنائے قلب اور فنائے نفس حاصل ہو جائے لیکن جتنی اصلاح فرض کے درجہ میں ہے وہ اختیاری ہے لیکن اصلاح اعمال بہ نسبت مشکل ضرور ہے۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ اچھے اخلاق مثلاً تواضع، نرمی، حلم و ترحم و شفقت، صبر و قناعت، ایثار و فیاضی دوسروں کی خیر خواہی کے تقاضوں پر اہتمام سے اور تکلف سے عمل کیا جائے۔ اسی طرح ان کے اضداد، رذائل مثلاً کبر، غصہ، بخل و طمع، حسد، خود غرضی وغیرہ کے تقاضوں کے خلاف چلنے کے لیے عزیمت سے کام لیا جائے اور اس بارے میں اچھے اخلاق کے فضائل اور رذائل کی برائیوں کو متعلقہ کتب سے معلوم کر کے سوچا جائے اور اپنی ہمت و قوت ارادی کو کام میں لایا جائے تھوڑے دنوں تو تکلیف اور استحضار سے کام کرنا پڑے گا پھر مشق و مجاہدہ سے طبیعت اس سانچہ میں ڈھل جائے گی اس طریقہ سے کامیابی کی شہادت حدیث سے مل رہی ہے۔ حدیث نبوی میں ہے:

"من یستعف یعفه الله، ومن یستغن یغنه الله ومن یتصبر یصبره الله"

یعنی جو شخص بہ تکلف عفت کا طرز عمل اختیار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو باعفت بنا دیں گے۔ اور جو شخص بہ تکلف استغنا کا رویہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو غنیٰ عطا فرما دیں گے۔ اور جو شخص ہمت سے صبر کا رویہ اختیار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو صابر بنا دیں گے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۶۲)

اس راستہ میں کامیابی کے لیے سب سے پہلی چیز سچی توبہ ہے بلکہ کسی شیخ طریقت کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو بھی توبہ کرنا ہی کہا جاتا ہے اور یہ کام کسی کے دباؤ یا رواج کے تحت تو کیا نہیں جاتا اور اگر کوئی رواج یا محض شوق کے طور پر بلا قصد بیعت، یا توبہ کرے بھی تو وہ بے کار ہوگی اور جو کوئی اس راستہ کی اہمیت سمجھ کر سچے دل سے اس راستہ کو اختیار کرے گا وہ سچی توبہ کرے گا۔ سچی توبہ کے تین جزو ہیں۔ اول یہ کہ جس جس گناہ سے توبہ کی جائے ان کو فوراً چھوڑ دے، دوسرے آئندہ نہ کرنے کا عزم کرے، تیسرے جو ہو چکا اس پر ندامت اور شرمندگی کا اظہار اور عہد کرے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ نہیں کروں گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے احکام کے بارے میں اب تک جو کوتاہیاں ہوتی رہی ہیں اور زندگی کا جو حصہ معصیت اور غفلت میں گزرا ہے اس سے سچی توبہ کر کے آئندہ کے لیے اس مالک کے حکموں پر چلنے کا اور بندگی والی زندگی کا پختہ عہد اور ارادہ کرے، لیکن ہم بشر ہیں اور ہمارے ساتھ بشری کمزوریاں لگی ہوئی ہیں۔ شیطان اور نفس کا بھی ہر وقت کا ساتھ ہے اس لیے ایسا ہوتا ہے کہ آدمی معصیت سے بچنے کا اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلنے کا پکا ارادہ کر لیتا ہے، لیکن شیطان اور نفس کے بہکانے سے پھر اس سے معصیت ہو جاتی ہے' اس لیے جب کبھی ایسا ہو جائے چاہے بار بار ہی کیوں نہ ہوتا ہو تو متنبہ ہونے پر فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لی جائے اور آئندہ کے لیے اس سے بچنے کا پھر عہد کر لیا جائے۔ اور ایسا بار بار ہو جانے کی حالت میں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ گناہ کے بعد رنجیدہ اور نادم ہو کر توبہ کر لینے سے گناہ بالکل معاف اور کالعدم ہو جانے کے علاوہ بندہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور محبت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری عزّ اسمہٗ ہے:

" ان اللہ یحب التوابین" یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے بندوں کو پیار

کرتا ہے۔ اور پھر کسی وقت اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہو جاتا ہے کہ توبہ پر استقامت عطا فرما دیتے ہیں۔

۲: اپنے ذمہ جو بندوں کے جانی یا مالی حقوق ہوں ان کو ادا کرنے یا معاف کرانے کا خصوصی اہتمام رکھیں کہ بندوں کے حقوق کا معاملہ کریم آقا کے حقوق سے زیادہ سخت ہے آخرت میں بندوں کے حقوق ادا کئے بغیر چارہ نہیں، کریم اُن کے ادائیگی کی جو صورت بھی اختیار کرے۔ جانی حقوق میں مسلمان کی آبرو ریزی علماء کی اہانت کسی سب وشتم، غیبت چغلخوری وغیرہ شامل ہیں۔ مالی حقوق میں کسی کا حق دبالینا، دنیاوی قانون کی آڑ پکڑ کر کسی صاحب حق کا حق ادا نہ کرنا رشوت وغیرہ سب داخل ہیں۔ ان حقوق میں مسلمان اور ذمی کافر میں کوئی فرق نہیں بلکہ ذمیوں کا معاملہ اس سلسلہ میں مسلمانوں سے بھی زیادہ سخت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ "جو شخص کسی ذمی پر ظلم کرے یا اس کی آبرو گرائے یا تحمل سے زائد اس پر کوئی مطالبہ رکھے۔ بغیر خوش دلی کے اس کی کوئی چیز لے تو قیامت کے دن میں اسکی طرف سے دعویٰ کرنے والا ہوں گا"۔ یہ سوچنے کی بات ہے کہ جب اپنا سفارشی ہی دعویدار بن جائے تو کتنا سنگین معاملہ ہو جائے گا۔ پاکستانی احباب اس کا خصوصیت سے خیال رکھیں کہ وہاں کے کفار بہرحال ذمی ہیں، اس ذیل میں یہ چیز بھی نہایت اہتمام کے قابل ہے کہ دنیاوی معاملات میں بھی شریعت مطہرہ کے موافق عمل کرنے کا اہتمام رکھنا چاہئے۔ بعض لوگ عبادات کا تو اہتمام کرتے ہیں لیکن معاملات میں شریعت کا اہتمام نہیں رکھتے۔

حالانکہ شریعت کے احکام جیسے عبادات کے متعلق ہیں ویسے معاملات کے متعلق بھی ہیں۔ جو لوگ پڑھے لکھے ہیں وہ اپنے متعلق مسائل کی کتابیں اہتمام سے دیکھتے رہیں جو خود پڑھے لکھے نہیں وہ علماء سے تحقیق کرتے رہیں۔

اس طرح اللہ جل شانہٗ کے جو حقوق ذمہ پر ہوں ان کو بھی بہت اہتمام سے ادا کیا جائے جن میں قضا نمازیں۔ قضا روزے، کفارہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ سب شامل ہیں۔ یہ خیال غلط ہے کہ توبہ سے یہ سب چیزیں معاف ہو جاتی ہیں۔ توبہ سے تاخیر کا گناہ معاف ہو جاتا ہے لیکن اصل حق ذمہ پر باقی رہتا ہے ان میں کوتاہی سے دین و دنیا دونوں کا نقصان ہے جیسا کہ فضائل نماز، فضائل صدقات، فضائل رمضان فضائل حج میں تفصیل سے مذکور ہے۔ ان کو اہتمام سے دیکھیں۔

۵: اتباع سنت کا زیادہ سے زیادہ اہتمام رکھیں۔ عبادات میں اخلاق میں معمولات میں اس اس کی جستجو رکھیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کیا معمول تھا۔ حتیٰ کہ کھانے پینے تک میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مرغوب چیزوں کی تحقیق کر کے اتباع کی کوشش کریں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اپنے ضعف کی وجہ سے جن کاموں میں اتباع کا تحمل نہیں ہے ان کا اتباع نہ کیا جائے جیسا کہ فاقوں کی کثرت۔ لیکن دل سے اس کو پسندیدہ اور مرغوب بنانے کی کوشش رکھیں اس سلسلہ میں "شمائل ترمذی" اور اس کے ترجمے "خصائل نبوی" سے خصوصاً مدد ملے گی۔

۶: اہل اللہ کی اہانت سے بہت زیادہ احتراز رکھیں کہ اس سے سخت ترین بددینی میں ابتلاء کا اندیشہ ہے۔ ان میں صحابہ کرام اولیاء عظام ائمہ مجتہدین و محدثین۔ علماء حق سب ہی شامل ہیں، یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کا ان میں سے اتباع کیا جائے۔ اتباع دوسری چیز ہے اور اہانت دوسری چیز ہے۔ دل سے بھی ان سب کا احترام رکھے۔ اس سلسلہ میں رسالہ "الاعتدال" المعروف "اسلامی سیاست" کا خصوصیت سے مطالعہ کیا جائے۔

۷: جو صاحب حافظ قرآن ہوں وہ کم از کم تین پارے روز کا معمول رکھیں۔ اس طرح پر کہ ان کا زیادہ حصہ نوافل میں ہو جایا کرے جن کو حفظ میں مہارت نہ

ہو وہ ایک پارہ کو دیکھ کر یا نصف پارہ کو پانچ مرتبہ دیکھ ایک مرتبہ نوافل میں پڑھا کریں۔ جو حافظ نہ ہوں وہ ایک پارہ روزانہ کا معمول رکھیں اور جو بالکل ہی قرآن پاک پڑھے ہوئے نہ ہوں وہ ایک وقت میں یا دو وقتوں میں ایک گھنٹہ روزانہ قرآن پاک پڑھنے میں ضرور خرچ کریں۔ اپنے قریب کسی مکتب کے حافظ صاحب یا مسجد کے امام صاحب سے تھوڑا تھوڑا روزانہ پڑھ لیا کریں۔

نمبر ۸: بعد نماز صبح روزانہ ایک مرتبہ سورہ یٰس شریف پڑھ کر اپنے سلسلہ کے جملہ مشائخ کو ایصال ثواب کیا کریں، اور بعد عشاء سورۃ تبارک الذی اور جمعہ کے دن سورہ کہف ہمیشہ پڑھ لیا کریں۔ سوتے وقت آیۃ الکرسی اور چاروں قل یعنی قل یاایھا الکافرون الخ قل ھو اللہ احد الخ قل اعوذ برب الفلق الخ قل اعوذ برب الناس الخ پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لیا کریں۔ سلسلہ کے مشائخ کو جانی اور مالی ایصال ثواب میں حتی الوسع یاد رکھا کریں کہ اس سے ان کی برکات سے انتفاع کی قوی امید ہے قربانی کے ایام میں حسب وسعت ان کی طرف سے عموماً اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے خصوصاً قربانی بھی کیا کریں۔

نمبر ۹: اشراق چار رکعت، چاشت آٹھ رکعت، اوابین بعد مغرب چھ رکعت، تہجد بارہ رکعت، ارادہ ان سب نمازوں کا رکھیں اور عمل جن پر سہولت سے ہو سکے کرتے رہیں۔

نمبر ۱۰: محرم کی ۹ ، ۱۰ ، اور ذی الحجہ کے اول کے نو دن بالخصوص نویں تاریخ اور شعبان کے پندرھویں کے روزے کا خصوصیت سے لحاظ رکھیں اور ہو سکے تو ہر ماہ میں ایام بیض یعنی تیرہ، چودہ، پندرہ نیز پیر جمعرات کا روزہ بھی بہتر ہے۔ لیکن جو لوگ تعلیم و تبلیغ وغیرہ دین کے اہم کاموں میں مشغول ہیں وہ اس کا لحاظ رکھیں کہ ان نفل روزوں سے دین کے اہم کام میں حرج نہ ہو۔ البتہ دنیاوی مشاغل

بغیر مجبوری کے مانع نہ ہونے چاہئیں۔

۱۱: کتاب الحزب الاعظم کی ایک منزل روزانہ پڑھا کریں اہل علم معنٰی کا لحاظ رکھتے ہوئے اس طرح پڑھیں گویا یہ دعائیں اللہ تعالیٰ شانہٗ سے مانگ رہے ہیں اس کے علاوہ جو خاص خاص اوقات مثلاً کھانے پینے سونے وغیرہ کے اوقات میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے جو دعائیں نقل کی گئی ہیں ان کو یاد کر کے معمول بنانے کی سعی کرتے رہیں۔

۱۲: ہر نماز کے بعد اور سوتے وقت تسبیحات فاطمہ کا اہتمام رکھیں اور صبح وشام استغفار، درود شریف، کلمہ طیبہ اور سوم کلمہ کی تین تسبیح پڑھا کریں جو لوگ کسی دینی شغل تعلیم و تبلیغ میں مشغول ہیں ان کے لیے ایک ایک تسبیح کافی ہے کہ دینی مشغلے خود بہت اہم ہے۔ یہ چاروں کلمے بہت زیادہ قابل قدر ہیں ان سے دینی فوائد کے علاوہ دنیاوی منافع بھی کثرت سے حاصل ہوتے ہیں۔ رسالہ فضائل ذکر میں ان کا مختصر بیان مل سکے گا۔

۱۳: حضرت شیخ الحدیث کے اردو رسائل میں سے کسی ایک رسالہ کو مطالعہ میں رکھا کریں، اور ممکن ہو تو دوستوں کو سنایا کریں کہ یہ خود دیکھنے سے کئی وجوہ سے بہتر ہے، جب وہ ختم ہو جائے تو دوسرا شروع کر لیں۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری رہنا چاہئے کہ یہ بزرگوں کی صحبت کا بدل ہے۔ اس میں ہر شخص کی حالت کے مناسب کسی خاص رسالہ کو اہمیت بھی ہوتی ہے، ان کے علاوہ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے رسالہ "تعلیم الطالب" "حیات المسلمین" "تعلیم الدین" نیز معتمد بزرگوں بالخصوص اپنے سلسلہ کے اکابر کے احوال وسوانح کی کتابیں بھی مطالعہ میں رکھنا مفید ہے۔

۱۴: کم از کم چھ ماہ ان معمولات پر اہتمام سے عمل کر لینے کے بعد ذکر و شغل دریافت کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ رغبت بھی ہو اور دماغ و اوقات میں گنجائش

بھی ہو، ذکر شروع کرنے میں تاخیر میں مضائقہ نہیں لیکن شروع کرنے کے بعد چھوڑنا یا لاپروائی برتنا مضر ہوتا ہے۔

۱۵: دنیا کی زندگی چاہے کتنی ہی بڑھ جائے بہر حال ختم ہونے والی ہے اور آخرت کی زندگی کبھی ختم ہونے والی نہیں، اس کی فکر دنیاوی زندگی سے کہیں زیادہ ہونے کی ضرورت ہے۔ موت کو کثرت سے یاد رکھا کریں۔ "فضائل صدقات" حصہ دوم کا مطالعہ اس کے لیے زیادہ مفید ہے۔ خالی اوقات کو اللہ پاک کے ذکر سے مشغول رکھیں کہ وہ آخرت کا سہارا ہے دنیا میں برکت اور دلوں کی طمانیت کا ذریعہ ہے، بالخصوص مبارک اوقات کو جیسا کہ جمعہ کی شب جمعہ کا دن۔ عرفہ کی رات، شب برات، عیدین کی رات، لیلۃ القدر یعنی رمضان المبارک اخیر عشرہ کی طاق راتیں، بلکہ ماہ مبارک کا تو ہر وقت انتہائی قیمتی ہے جیسا کہ رسالہ "فضائل رمضان" میں مختصراً لکھا گیا ہے۔ اس ماہ کے شروع ہونے سے پہلے ہی سے اس رسالہ کو اہتمام سے دیکھنا شروع کر دیا کریں اور بار بار خود پڑھیں دوسروں کو سنائیں اور اس کی کوشش کریں کہ اس مبارک مہینہ کا کوئی منٹ بھی ضائع نہ ہو۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے اس ناپاک کو بھی ان امور پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

ایمان و احسان کے عمومی درجہ کی ایک بہت مبارک اور مقبول صورت

تبلیغی جماعت کا چلّہ

تبلیغی جماعت کا کام الحمد للہ تعالیٰ اس قدر معروف و مشہور ہو گیا ہے کہ اس کا تعارف اور اس کی افادیت کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ گذشتہ اوراق میں محبت کے راستے کا جو ابتدائی نصاب بیان ہوا۔ اس کو عمل میں لانے کے لیے

جماعت میں چلّہ لگانا بہتر اور کامیاب طریقہ ہے۔ کیونکہ جماعت کے طریق کار اور اصولوں میں اصلاح نفس کے وہ سب ضروری امور شامل ہیں، جن کا اعلیٰ ایمانی واحسانی کیفیت پیدا کروانے کے لیے اختیار کرنا لازم ہوتا ہے اور تبلیغ میں ان چیزوں پر عمل کرنے کی ایسی اجتماعی صورت بن جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے خود عمل پیرا ہونے کے ساتھ حسب فرمان سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم " الدال علی الخیر کفا علہ" دوسروں کو ان چیزوں پر ڈالنے کی وجہ سے ان کا ثواب اور ان کی وجہ سے جو قیامت تک عمل میں پڑیں گے ان سب کا ثواب ملتا ہے اور تھوڑے سے عمل کے ساتھ بہت بڑے اجر کا استحقاق ہوجاتا ہے اور " ان احب عباد اللہ الی اللہ من حبب عباد اللہ الی اللہ وحبب اللہ الی عبادہ" (یعنی بندوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو بندوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہونے کا اور بندوں کے عند اللہ محبوب ہونے کا ذریعہ بنے) کے مطابق بندہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہوجاتا ہے۔

جماعت کا شب و روز جو نظام ہوتا ہے۔ اس میں ایمان و توحید کے تذکرے، ارکان اسلام کے فضائل کی عمومی تعلیم اور مسائل کی خصوصی اور عملی تعلیم ذکر کے فضائل اور تسبیحات کا اہتمام ہر ہر موقع پر ماثورہ دعائیں پڑھنے سیکھنے میں مشغولی ہوتی ہے۔ اس طرح سے کثرت ذکر کا ایک درجہ حاصل ہوجاتا ہے، ایمان و احتساب کے ساتھ عبادات، تلاوت خصوصاً نماز کو سنوارنا، سفر کی حالت میں ساتھیوں کی خدمت بڑوں کا اکرام چھوٹوں پر شفقت اپنے حقوق چھوڑنے، دوسرے کے ادا کرنے کی مشق پھر ان سب امور کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنا اور تصحیح نیت کا بار بار ذکر اور استحضار صلحاء کی صحبت جس میں اللہ تعالیٰ کی یاد، موت کی یاد، آخرت کے تذکرے ہوتے رہتے ہیں۔

آخری چیز یا ان کا آخری نمبر ان سب امور کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے مالی و جانی مجاہدہ کرنا اور نفس کے خلاف امور پر صبر کرنا ہے، یہی سب باتیں تزکیۂ نفس کے ابتدائی اور لازمی نصاب میں ہیں اور بعض اشخاص جن کو اس طرزِ اصلاح سے خاص مناسبت ہو جائے اور ان کے حالات بھی اس راستے پر چلنے کی موافقت کرتے ہوں تو وہ اسی راستے سے احسان اور معرفت کے اعلیٰ مقام بھی حاصل کر لیتے ہیں۔

آج کل امت کے عمومی بگاڑ کی حالت میں اس عمومی طریق کار کی بہت ضرورت ہے جیسا کہ عام حالات میں حفظانِ صحت کے مراکز اور باقاعدہ شفا خانے کافی ہوتے ہیں، لیکن کسی مرض کی وبا ءِ عام ہونے پر ان پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ محلہ در محلہ گھوم کر گھر گھر پہنچ کر ٹیکے اور دوائیں تقسیم کی جاتی ہیں اس میں ماہر ڈاکٹروں کی زیرِ سرپرستی عوام سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ آج کل اس تبلیغی کام کی افادیت و نتائج کی بنا پر علماء و مشائخ اس کی ضرورت پر بہت زور دیتے ہیں اور بہت سے مشائخ بشارت منامیہ کی بنا پر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا اس کام پر خصوصی توجہ ہونا بیان فرماتے ہیں اور اس کام پر اللہ تعالیٰ کی عنایت خاصہ اور قبولیت عامہ کا روزانہ مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ جن لوگوں نے اصولوں کے تحت اپنی اصلاح کی نیت سے کچھ وقت لگایا ہو ان میں طہارت، عبادت، اتباعِ سنت اور تواضع کی صفت نمایاں ہوتی ہے۔ ان کی تواضع سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تبلیغی جماعت کا آدمی ہے۔ ہاں جو کوئی دوسری اغراض کے تحت کام کرتا ہو اور اپنی اصلاح کی نیت نہ رکھتا ہو تو یہی کام اس میں عجب پیدا کر دیتا ہے کہ وہ دوسرے کسی بھی کام اور دینی شخصیت کو خاطر میں نہیں لاتا، یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی دوا تقسیم کرنے والا دن رات خوب کام کر کے یہ سمجھنے لگے کہ بس کام تو میں

کرتا ہوں۔ یہ ڈاکٹر اور محکمہ صحت کی کرسیوں پر بیٹھنے والے افسران سب بیکار ہیں یہ غلط نتیجہ اصولوں کے ضائع کر دینے سے ظاہر ہوتا ہے تبلیغ، علم، ذکر کوئی بھی لائن ہو اصولوں کے خلاف اور آداب کی رعایت نہ ہونے سے ہر جگہ غلط نتائج نکلیں گے۔

ایک ضروری امر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے دینی کام میں مشغول یا اپنی اصلاح کے کسی اور مقبول سلسلہ میں منسلک ہو یا معذور ہو اور شرکت نہ کر سکے تو ان حضرات کو وقعت و احترام کی نظر سے ضرور دیکھے ان سے محبت رکھے ان کے لیے دعائیں کرے اور تنقید و تحقیر ہرگز نہ کرے کہ قبولیت واضح ہو جانے کے بعد مخالفت بہت وبال کا باعث ہوتی ہے۔

حضرت شیخ المشائخ شیخ الحدیث قدس اللہ سرہٗ کا معمول تھا کہ عمومی بیعت کے بعد مریدین کو ابتدائی معمولات ارشاد فرماتے تھے تو اس وقت اس بات کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے کہ ان معمولات و اوراد پر عملی مشق کے لیے تبلیغ میں کچھ وقت گذارنا بہت مفید ہے۔

اگر کسی کامل کی صحبت اور نگرانی میں مندرجہ بالا نمبروں پر انفرادی طور پر یا جماعت میں شرکت کر کے اجتماعی صورت میں عمل کر لیا جائے تو انشاء اللہ عقائد کی صحت اور پختگی کے ساتھ اس میں عبادت اور یاد الٰہی کا کچھ ذوق و شوق پیدا ہو جائے گا، اس میں اسے لذت آنے لگے گی، اس کی کم از کم ضروری درجہ کی عملی اور اخلاقی اصلاح ہو جائے گی، برے اعمال سے اسے نفرت اور اچھے اعمال کی رغبت ہو جائے گی، اور اس کے مطابق اس کی عادت بن جائے گی۔

اور اکثر طالبین بزرگوں سے اتنے ہی مقصد کے لیے تعلق رکھتے ہیں اور اتنی ہی اصلاح فرض عین کے درجہ میں ہے اور اس درجہ والوں کو صالحین اور اصحاب یمین کہا جاتا ہے، اور اس کے بعد کے کمالات بہت ہی پُر عظمت اور بلند ہیں

جن کا حصول مستحب ہے۔ کیونکہ وہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔

محبت کے راستے کے دوسرے مرحلے یا متوسط درجہ کا نصاب

(جس میں اذکار و اشغال کا آغاز ہوتا ہے)

یہ دعا ہے آتش ہجر میں تو میری طرح سے جلا کرے
نہ نصیب ہو تجھے بیٹھنا تیرے دل میں درد اٹھا کرے

اگرچہ اس سارے رسالہ کا مقصد اسی درجہ کی طرف دعوت دینا ہے اور سلوک و تصوف کا اصل موضوع اور اس کی اصل غایت بھی نور یقین اور احسانی کیفیت اور تعلق مع اللہ ہے۔ مشائخ راسخین فی العلم یہاں تک فرماتے چلے آئے ہیں کہ بعثت جناب فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی کے واسطے تھی اور جملہ صحابہ اس نسبت کے حامل تھے۔ علی حسب مراتبھم، " یا ایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا " میں اس درجہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس درجہ والوں کے احوال باب اول میں عشاق کے احوال کے عنوان میں آچکے ہیں، مگر یہاں چند امور کو بہت صفائی سے عرض کرنا ہے۔

۱: اس درجہ کی ساری عظمتوں اور فضیلتوں کے باوجود اللہ کریم نے اپنے بندوں کے لیے اور ان کے دخول جنت کے لیے اس درجہ کو فرض قرار نہیں دیا بلکہ شریعت میں یہ درجہ حاصل کرنا مستحب کہلاتا ہے۔

۲: اس درجہ والوں کے لیے کشف و کرامات اور عجائب وغیرہ سے کوئی چیز لازم نہیں، وہی ایمان اور عقائد کی پختگی جو درجہ ابتدائی میں ضروری بیان کی گئی۔ یہاں اس کا یقین ہو جاتا ہے کہ پہلے ایمان استدلالی تھا اب شہودی ہو گیا اور سنی ہوئی چیز دیکھی ہوئی کے برابر نہیں ہوتی ؂

سر دین ما را خبر او ر انظر
او درون خانہ ما بیرون در
ما کلیا دوست ما مسجد فروش
او ز دست مصطفی پیمانہ نوش

وہی عبادات جن میں پہلے سستی اور نفس کی آمیزش تھی ان میں اخلاص اور ایمان کی کیفیت آجائے گی وہی معاملات جن پر عمل شریعت کے ضابطہ اور قانون کی وجہ سے تھا اب تمام حب ولبغض للہ فی اللہ کے جذبے سے عمل ہو گا۔ وہی دعائیں جو دنیا اور آخرت کے لیے کی جاتی تھیں اب ان کے کرنے میں اپنی مراد کے جذبہ کے بجائے محبوب کی رضا کے لیے اس کے سامنے محض اظہار احتیاج کے جذبہ سے ہو کہ الدعاء مخ العبادۃ بن جائے گی پہلے تحدیث بالنعمۃ میں نفس کی آمیزش تھی جس کی وجہ سے عجب کا خطرہ تھا اب یہ عمل شکر کا اعلیٰ عمل بن جائے گا اور ایسے ایسے درجہ والا کہے گا۔ ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را
کو دامنت گرفتہ بسوئم کشیدہ است

اس درجہ والے کے اندر شوق شہادت اور قربانی کا وہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ اس کے ہر روئیں سے آواز آتی ہے ؎

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تم پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں،

ہے ریت عاشقوں کی تن من نثار کرنا
رونا ستم اٹھانا دل سے نیاز کرنا

۳۔ یہ راستہ فقیری اور درویشی کا راستہ ہے۔ حضرت اقدس سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب سالک کو خدا کی راہ اور اس کے صراط مستقیم پر گامزن ہونے کی توفیق دی جاتی ہے تو اُس کے دل میں دنیا سے نفرت اور آخرت کی طرف رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور فرماتے ہیں کہ دل سے دنیا اور تمام دنیا کی چیزوں کی محبت چھوڑ دے ورنہ ایک ہزار برس تک بھی عبادت کرنا فائدہ نہ دے گا۔

مرتبہ و عزت کی خواہش کرنا تو اپنے کو گمراہ کرنا ہے اس سے پناہ مانگے۔

۴۔ اس راستہ میں اتباع شیخ کے بارے میں شیخ اکبر قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اگر تیرے کام دوسرے کی مرضی کے تابع نہیں ہوتے تو تو کبھی بھی اپنے نفس کی خواہشات سے رہائی نہیں پا سکتا گو عمر بھر مجاہدے کرتا رہے۔

۵۔ صاف بات ہے کہ یہ درجہ کچھ فرض نہیں۔ پہلا درجہ جو فرض ہے وہ آرام و عافیت کا ہے مگر جو اس درجۂ عاشقی میں قدم رکھنا چاہے تو اسے اپنی بربادی ذلت اور مصیبت کے لیے تیار رہنا چاہیئے ؎

سالک راہِ محبت کا خدا حافظ ہے
اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

اے دل ذرا سنبھل کے محبت کا نام لے
کمبخت! بارِ عشق اٹھایا نہ جائے گا

"وحملها الانسان انه كان ظلوماً جهولا" میں عارفین کے نزدیک اسی کی طرف اشارہ ہے۔

۶۔ اس راستہ میں قدم رکھنے والے کو سر فروش اور ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے، آرام اور راحت، عزت وجاہ کا خیال بھی اس راہ میں بدنام کرنے والا اور گناہ ہے ؎

نازپروردہ تنعم نہ برد راہ بدوست
عاشقی شیوۂ رنداں بلاکش باشد

یہ ننگ ہیں جو سود و حاصل دیکھتے ہیں
یہاں گمراہ کہلاتے ہیں جو منزل دیکھتے ہیں

دیکھ یہ راہ عشق ہے، ہوتا ہے بس یونہی طے
سینہ پہ تیر کھائے جا، آگے قدم بڑھائے جا

۷۔ راستہ کی سب مشقتیں اسی شوق اور جذبہ کے ماتحت ہونا ضروری ہیں اور اسی فریفتگی سے ان کو برداشت کرنا چاہیئے ؎

مصائب حادثے آفت الم ذلت قضا تربت
دکھائی جائے جوان کی جوانی دیکھتے جاؤ،

اذیت، مصیبت، ملامت بلائیں
تیرے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

چشم تر خاک بسر چاک گریباں دل زار،
عشق کا ہم نے یہ دنیا میں نتیجہ دیکھا

عشق میں تیرے کوہِ غم سر پڑ لیا جو ہو سو ہو
عیش و نشاطِ زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

ہم نے تو آپ اپنا گریباں کیا ہے چاک
اس کو سیا سیا نہ سیا پھر کسی کو کیا

جان کی قیمت دیارِ عشق میں ہے کوئے دوست
اس نویدِ جانفزا سے سر و بال دوش ہے

جس گل کو دل دیا ہے جس پھول پہ فدا ہوں
یا وہ بغل میں آئے یا جان قفس سے چھوٹے

ف ۸ : یہاں اشعار لکھنے سے مقصود شاعری نہیں۔ بلکہ راستہ کی حقیقت کا بیان کرنا ہے اور اشعار میں بیان آسان اور معروف ہے اور اکثر کے لیے مؤثر بھی ہوتا ہے۔ ناظرین کی خدمت میں ایک دفعہ پھر درخواست ہے کہ عشق کی لائن کو (یعنی سلوک کے اذکار و اشغال کو سوچ سمجھ کر اختیار کریں۔ ہمت نہ ہو تو ارادہ نہ فرمائیں کیونکہ مذکورہ بالا پہلا درجہ تو فرض تھا یہ مستحب ہے، لیکن خطرناک بھی ہے چنانچہ اس لائن کے آئمہ کا قول ہے،

انتم تخافون المعاصی ونحن نخاف الکفر یعنی تم (احسان و محبت کے ابتدائی درجہ والے نیک لوگ) تو گناہ سے ڈرتے ہوں اور ہم (عشاق) کفر سے ڈرتے ہیں یعنی اپنے احوال کی وجہ سے خطرے میں بھی ہیں۔

کیونکہ اگر اس درجہ کو اس کی جملہ شرائط کے مطابق اختیار نہ کیا گیا تو انہیں اذکار و اشغال سے مندرجہ ذیل نقصانات بھی ہو سکتے ہیں۔

(۱) یہ اذکار چونکہ تزکیہ کے لیے ہیں ان کی مثال مسہل کی سی ہے کہ مسہل کو اگر بیچ میں روک دیا جائے تو فاسد مادہ اپنی جگہ سے ہل جانے کے بعد زیادہ نقصان کا باعث بن جاتا ہے اسی طرح ذکر شروع کرنے کے بعد چھوڑنے یا لاپرواہی برتنے سے کئی طرح کے دینی نقصان ہوتے ہیں۔

اوّل یہ کہ ذکر سے کچھ نہ کچھ سرور اور انبساط کی کیفیت پیدا ہوگی جو اگرچہ خود تو غیر مقصود ہے مگر اعمال مقصودہ کے لیے معین ہوتی ہے۔ اجب ذکر چھوڑ دیا تو طبیعت بجھ گئی دل میں تنگی اور غفلت محسوس ہوئی جس کی وجہ سے اعمال میں سستی ہونا شروع ہو جائے گی اگر تنبیہ نہ ہوا تو یہ سستی بڑھتے بڑھتے فرائض تک پہنچ جائے گی اور پھر اعاذنا اللہ عقائد کی خرابی تک نوبت آجائیگی۔

(۲) ذکر شغل محبت و خصوصیت کا تعلق قائم کرنے کے لیے اختیار کیا گیا تھا، اب اس سبب خصوصیت میں لاپرواہی سے خود اپنی طرف سے محبت میں کمی محسوس ہونے لگے گی۔ جس کا نتیجہ بسا اوقات عداوت تک پہنچ جاتا ہے۔

(۳) اگر اشغال میں پابندی کی گئی اور شریعت پر علماً و عملاً پختگی حاصل نہ کی تھی۔ تو ذکر کی وجہ سے عشقی احوال پیش آنے سے وہ سب کچھ پیش آئے گا جو گذشتہ اوراق میں حبِ عشقی کے آثار میں بیان ہوا۔

(۴) اگر شیخ کے ساتھ توحید مطلب ربط کامل۔ اتباع و انقیاد کامل حاصل نہیں تو سیر اسمار میں مثلاً اسم الہادی کی سیر میں اپنے کو نبی، مہدی، مجدد وغیرہ سمجھنے لگے گا۔ اسی طرح توحید افعالی اور توحید وجودی کے کشف پر اعتقادی غلطیوں میں پڑ جائے گا۔ ہاں شیخ کامل کے سایہ میں یہ سب احوال رفیعہ عروج و ترقی کے نشان ہیں۔ غرض سلوکی ذکر شغل کو اختیار کرنا کشتہ سم الفار کا کھانا ہے جو کہ طبیب حاذق کی نگرانی میں زبردست طاقت پیدا کرتا ہے لیکن مریض کا بذات خود اس کا استعمال کرنا خشکی سے ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا اگرچہ ان

کی بازی لگانے کی ہمت ہو تو اِس راستے کو اختیار کیا جاوے۔

ع جس کو ہو جان و دل عزیز میری گلی میں آئے کیوں

؎ ہم نے ان کے سامنے اول تو خنجر رکھ دیا
پھر کلیجہ رکھ دیا، دل رکھ دیا، سر رکھ دیا

خونِ دل سے کی تواضع عشق کی
سامنے مہماں کے جو تھا رکھ دیا

حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں اسی نسبت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ دولت اگرچہ ہرگز ہرگز سہل نہیں، تمام جان و دل دیکر اس سے ایک ذرہ ملے اور عمر نوح خرچ کرکے اگر ایک ذرہ ملے تو مفت اور بہت سہل اور جلد ہے، تاہم کوئی مشکل نہیں۔ اگر مقدر ہے، ورنہ کچھ بھی نہیں۔ یہی کہا ہے جس نے کہا ہے۔

"ایک انچھر پریم کا پڑھے تو پنڈت ہو" سید الطائفہ حضرت احمد مجدد رح فرماتے ہیں۔ کہ کل سات قدم ہیں بس، سو سات قدم تو سات ہی ہیں ایک قدم اگر لاکھ سال میں طے ہو تو جلد ہے مگر جو فضل اللہ تعالیٰ شاملہ ہو تو تو ایک ساعت ہے،

الحاصل اگر حاصل نہ ہو پائے تو محصلین کی جماعت میں تو شمار ہو جائے الحق کہ کشف و کرامت ایک جو برابر بھی نہیں اس نورِ یقین کے سامنے جس قدر یقین ہے اسی قدر قوت ایمان و تقریب ہے۔ الحاصل اگرچہ یہ قوتِ تاثیر اور وجد اور کشف اور تصرف دنیا میں بہت ہے، مگر یہ نور یقین مثل کیمیاء کے نادر الوجود ہے اگرچہ عالم خالی نہیں۔ اگر اپنے شرائط ارکان کے ساتھ آدمی

اشغال میں مصروف ہو تو قدرِ مقدر پاتا ہے۔ نہ یہ نسبتِ حقہ معدوم و مفقود ہے اور نہ تحصیل اس کی محال ہے۔ اگرچہ اہل اس نسبت کے ہر روز کم ہوتے ہیں اور اب اقل قلیل ہیں۔ مگر عالم خالی بھی نہیں طرق اربعہ کا اسی نسبت پہ انتہاء ہے اور اس کے ہی واسطے گھر بار ترک کر کے حیران و پریشان ہوئے ہیں۔

مندرجہ بالا معروضات نمبرات کا مطلب یہ ہے کہ یہ جیسی اعلیٰ ترین نعمت ہے ویسی ہی اس کی قیمت بھی ادا کرنی پڑتی ہے۔ یعنی صرف وہی طالبانِ خدا اس کو حاصل کر سکتے ہیں جو صرف اسی کو اپنا مطلوب و مقصود بنا لیں اور اس کی طلب میں اپنا عیش و آرام اور اس کے علاوہ بھی سب کچھ قربان کر دینے کی ہمت کر سکیں اور اپنی جان کو بھی بے قیمت کر دینا ان کے لیے آسان اور ان کا مسلک یہ ہو ؎

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

لیکن آج کل چونکہ قویٰ کمزور ہو گئے ہمتیں پست ہیں۔ قرب قیامت ہے۔ جس میں تھوڑا سا کام بھی قبول کر لیا جاتا ہے۔ تھوڑی سی ناقص کوشش پر کامیاب کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ آخر زمانہ کے متعلق آیا ہے کہ کوئی دسواں حصہ دین کا کام کرے تو پچاس صحابہ کے عمل کرنے کا ثواب پاتا ہے" کما فی الحدیث اجر خمسین منکم"۔ (مشکوٰۃ صـ۴۳۷)

اسی طرح آج کل سلوک الی اللہ بھی ایسا ہی آسان ہے جیسا کہ سلوک الی بیت اللہ آسان ہو گیا ہے، پہلے تو دور کے ملکوں سے مکہ مکرمہ آنے کے لیے پیدل اور اونٹوں پر مہینے اور برس لگتے تھے اب ہزاروں میل سے دو تین گھنٹے میں بیت اللہ شریف پہنچ جانا نصیب ہو جاتا ہے بس یہی شرط ہے

کہ سواری میں بیٹھنے کے قابل ہو ٹکٹ، پاسپورٹ وغیرہ ہو اور سواری چل بھی رہی ہو اور اس کا رخ بھی مکہ مکرمہ کی طرف ہو اگر اس میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی تو چاہے مکہ کے عشق میں کتنا ہی گلے پھاڑ پھاڑ کر مکہ مکہ کہتا رہے۔ مکہ نہیں پہنچ سکتا اور اس آسانی کا مطلب یہ ہے کہ اب اس راستہ میں کوئی ایسا کام نہیں لیا جائے گا جس سے قویٰ کمزور یا متحمل نہ ہوں۔

۱: عمریں تھوڑی ہونے کی وجہ سے اس راستہ کی مدت بہت تھوڑی ہو گئی مثلاً برسوں کی بجائے چار مہینے کافی ہیں۔

۲: ذکر و شغل میں سوا لاکھ اور چوبیس ہزار کی ضرورت نہیں بارہ تسبیح یا اس کی مثل مقدار کافی ہو جاتی ہے اور جو ضرب و جہر کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ ذکر خفی سیکھ لے جو کہ اپنی شرائط و آداب کے مطابق تاثیر میں جہری سے کم نہیں ہے"۔

۳: مجاہدہ جو اس راستہ کی ایک ضروری چیز ہے اس کی چار قسمیں ہیں۔ قلت طعام، قلت منام، قلت کلام، قلت اختلاط مع الانام۔ قلت طعام میں اب مقدار اور غذا کی قوت کے لحاظ سے کمی کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہو سکے تو دودھ گھی کا کچھ اضافہ ہی کرے۔ ہاں فضولیات مثل آئس کریم مٹھائی وغیرہ میں کمی کر دے۔

قلت منام کی بھی بالکل ضرورت نہیں۔ البتہ تھوڑا سا وقت تہجد کیلئے نکال لے۔ نیند کے بارے میں یہی مجاہدہ کافی ہے۔ اس کی کسر بھی اگر ضرورت ہو تو دن کو پوری کرے۔ قلت کلام میں جسم کو کچھ کمزوری نہیں ہوتی بلکہ آرام ملتا ہے۔ زبان تو ذکر اذکار میں ہلتی رہے گی

چوٹ پہ چوٹ کھا کے جی، زخم پہ زخم کھا کے پی
آہ نہ کر لبوں کو سی، عشق ہے دل لگی نہیں

قلتِ اختلاط کا تو نعم البدل صحبتِ شیخ یا ذاکرین کی مجلس ہے، لیکن اس میں اپنے کام میں مشغول رہے ؎

شو ہمدم پروانہ، تا سوختن آموزی
با سوختگاں بنشیں، شاید کہ تو ہم سوزی

۱۴: کثرت عبادت کی ضرورت نہیں۔ نماز باجماعت و دیگر فرائض اچھی طرح آداب کے ساتھ ادا کرے البتہ خلاف شرع امور خواہ کسی بھی لائن کے ہوں ترک کردے اور اس میں کسی بھی چیز کے چھوڑنے میں قطعاً کوئی دماغی یا جسمانی کمزوری لاحق نہ ہوگی۔ اسی طرح ہر حکم کو سو فی صد جیسا کہ ماننا ضروری ہے ایسا ہی عمل میں بھی لایا جائے۔ جو لوگ بعض دین پر عمل کریں بعض پر نہ کریں ان کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے "افتؤمنون الخ" ان میں جو حکم خواہ کتنا ہی بڑا ہو اگر اختیار میں اور طاقت میں نہ ہو تو اس کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے۔ بھول چوک اور نفس کے عارضی غلبہ سے کچھ گڑبڑ ہو جائے تو فوراً توبہ کرلے۔ البتہ چند باتوں کے اہتمام کی ضرورت ہے۔ لیکن ان میں قوٰی کے مضبوط ہونے کی کچھ ضرورت نہیں صرف عزم کی ضرورت ہے۔

۱۵: ایک ضروری بات جس کا اہتمام نہیں ہوتا وہ "توحید مطلب" ہے جس کے متعلق "ارشاد الملوک" میں لکھا ہے۔

"جب شیخ کامل سے بیعت کرے تو دل سے اس کا فرمانبردار بن جانا چاہیئے اور توحید مطلب کے ساتھ اس کی اطاعت کا حلقہ کان میں پہن لینا چاہیئے۔ توحید مطلب اس کو کہتے ہیں کہ اپنے شیخ کے متعلق اس کا یقین رکھے کہ دنیا میں اس شیخ کے علاوہ مجھ کو مطلوب تک کوئی نہیں پہنچا سکتا اور گو اس زمانہ میں دوسرے مشائخ بھی ہوں اور اوصاف کاملہ سے متصف بھی ہوں مگر میرا منزل مقصود پر پہنچنا اسی ایک ہستی کی بدولت ہوگا اس لحاظ سے توحید مطلب

سلوک کا بڑا رکن ہے۔ جس کو یہ حاصل نہ ہوگا وہ پراگندہ پریشان اور ہر جائی بنا پھرے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ کسی طلب کے جنگل میں بھٹکتا ہوا ہلاک ہو جائے حق تعالیٰ کو اس کی مطلق پرواہ نہ ہوگی، پس مشائخ زمانہ میں سے ہر شخص کے متعلق یہ سمجھنا کہ یہ بھی میری پیاس بجھا کر مطلب تک پہنچا سکتا ہے سلوک کے لیے سخت مضر ہے۔ اگر اس کا وسوسہ بھی آیا کہ شیخ کے علاوہ دوسرا بھی مجھے مطلب تک پہنچا سکتا ہے تو ضرور شیطان اس پر اپنا قبضہ جمالے گا"۔

شیخ سے تعلق رکھنے کے آداب میں مشائخ نے یہ بھی لکھا ہے جس کو حضرت دہلویؒ کے الفاظ میں لکھتا ہوں فرمایا کہ:

"جن بڑوں سے ہم دینی فیوض اخذ کریں، ان سے اپنا تعلق صرف اللہ کی جانب کا رکھیں اور صرف اس لائن کے ان اقوال و افعال اور احوال سے سروکار رکھیں۔ باقی دوسری لائنوں کی ان کی ذاتی اور خانگی باتوں سے بے تعلق بلکہ بے خبر رہنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ یہ ان کا اپنا بشری حصہ ہے۔ لامحالہ اس میں کچھ کدورتیں ہوں گی اور جب آدمی اپنی توجہ ان کی طرف چلائے گا تو اس کے اندر بھی آئیں گی۔ نیز بسا اوقات اعتراض پیدا ہوگا جو بعد اور محرومی کا باعث ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ مکاشفات، انوار و تجلیات کے مشاہدہ کے وقت ان کو مقصود نہ سمجھے۔

تیسری بات ہمت کی حفاظت ہے یعنی جلدی نہ مچائے کہ یہ تکبر کی نشانی ہے۔

اور چوتھی بات شیخ کا احترام اور برادرانِ طریقت پر شفقت ہے۔ سب سے ضروری بات یہ ہے کہ تکبر سے بے حد بچے۔ اپنے عیوب کو سوچا کرے۔ چنانچہ مشائخ فرماتے ہیں کہ عاجزی اور اپنی ذلت و خواری و محتاجگی کا پیش نظر

رکھنا وصول کا قریب ترین راستہ ہے اور فرماتے ہیں کہ شہرت کا طالب
بدبخت کے سوا کوئی نہیں ہوتا اور ذکر و شغل سے جب سالک کا قلب کچھ صاف
ہوتا ہے اور شیخ کے ساتھ ربط و محبت کارفرما ہوتی ہے تو شیخ کے قلب کا
عکس مرید کے قلب پر پڑتا ہے تو قلب میں واردات اور محبت و حضوری کے
معاملات و انوار آتے ہیں اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے مقناطیس والے لوہے
کے پاس سادہ کچا لوہا رکھ دیا جائے تو اس میں بھی مقناطیسی اثر آجاتا ہے کہ
وہ بھی دوسری لوہے کی چیزوں کو کھینچنا شروع کر دیتا ہے۔ لیکن اصلی مقناطیس
کو الگ کر دینے سے وہ اثر ختم ہو جاتا ہے، ہاں اگر پختہ لوہا (فولاد) کچھ عرصہ
مقناطیس کے ساتھ لگا رہے یا دونوں کو آپس میں رگڑ دیا جائے تو فولاد کے
ٹکڑے میں مقناطیسی اثر دائمی ہو جاتا ہے، پھر مقناطیس کو دور کرنے سے
زائل نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر سالک ہمت کر کے شیخ کے قرب کے فیض
کو محض اللہ کریم کا فضل سمجھے اور اپنی اصلی صفاتِ قصور و کوتاہ کاری پیش نظر
رکھ کر گریہ و زاری کرتا رہے تو حق تعالیٰ اپنے فضل سے بندہ کے قلب پر اپنے
نور سے نظر فرما دیتے ہیں اور یہ نور بندہ پر غلبہ پا لیتا ہے۔ پھر جدائی نہیں
ہوتی۔ لیکن بسا اوقات پہلی صورت میں جب کہ محض شیخ کے قلب کا عکس
ہوتا ہے۔ جس کو سالک اپنا اصلی حال سمجھ کر اپنی بزرگی کا خیال کرنے لگتا ہے۔
اور شیخ سے لاپرواہ ہو جاتا ہے یا شیخ سے خلافت وغیرہ کا امیدوار اور خواہشمند
ہوتا ہے تو یہ صریح تکبر اور تنزل کی علامت ہوتی ہے کہ حالت مقصودہ تو اپنی
ذلت و خواری کو پیش نظر رکھنا تھی اور یہ اپنی بڑائی دیکھنے کی حالت، مقصودہ حالت
سے بالکل الٹی ہے کہ مقصود تو بندگی ہے نہ کہ خدائی بڑائی تو خدا کی صفت ہے
جب بندۂ عاجز نے اس کو اپنے لیے ثابت کیا تو ضرور تنزل ہو گا۔

۴۳: ایک ضروری بات جس سے اس قدر غفلت ہے کہ آج کل اس کو

تصوّف سے بلکہ دین ہی سے غیر متعلق سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ ذکر و شغل اور متعارف اعمالِ تصوّف سے بدرجہا زیادہ ضروری ہے وہ حقوق العباد یا صفائی معاملات ہے جو کہ واجبات شرعیہ میں سے ہے چنانچہ "اکمال الشیم" میں ہے کہ:

"واجبات کی ادائیگی میں سستی اور نفلی عبادات میں جلد بازی کرنا ہواء النفس کی علامت ہے۔ واجبات خواہ حقوق اللہ میں ہوں مثلاً نماز روزہ کی قضا یا حقوق العباد میں مثلاً لین دین، غیبت، چغلی وغیرہ ان سب کا بے حد خیال ہونا چاہیئے۔"

۴: ناجنس کی صحبت سے بے حد بچے۔ ناجنس خلاف مسلک یا مخالف طریق کی صحبت اس راستہ میں کافر کی صحبت سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

۵: اتباعِ سنت، اتباعِ شریعت وغیرہ جملہ نصاب درجہ ابتدائیہ کیمطابق سختی اور عزیمت سے عمل پیرا ہو۔ لیکن نئے اذکار و اشغال کی وجہ سے اگر کثرت نوافل اور اوراد میں عارضی طور پر کمی آجائے تو مضائقہ نہیں۔ اس بارے میں ہر حرکت و سکون میں اپنے شیخ کے مشورہ پر عمل درآمد کرے۔

۶: قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ و آلہ وسلم ان احب الاعمال الی اللہ تعالٰی الحب فی اللہ والبغض فی اللہ (مشکوٰۃ ص۴۲۷)

یعنی سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ تعالٰی کے نزدیک اللہ تعالٰی کے لیے محبت اور اللہ تعالٰی کے لیے بغض کرنا ہے، ایمان کی ایک دستاویز حب فی اللہ ہے اور دوسری بغض فی اللہ ہے۔ یہ دونوں دستاویزیں آپس میں لازم و ملزوم ہیں کہ ایمان بلا محبت کے نہیں اور محبت فی اللہ بغض فی اللہ کو بھی چاہتی ہے۔ لہٰذا محبت کے مضمون کے پورے حصول کے لیے بغض فی اللہ کی اہمیت اور زندگی سے اس کا تعلق بیان ہونا ضروری ہے، لہٰذا اس کو رسالہ کا مستقل جزء

بنا کر آخر میں شامل کرنا مناسب ہے لیکن اس کے بغیر محبّت کے راستے کا نہ تو درجۂ ابتدائی پورا ہوتا ہے اور دوسرے درجہ میں تو اس کے بغیر جان ہی نہیں۔

اس نصاب کی مدّت

ذکر و شغل کے ثمرات و آثار پیدا ہونے کے لیے مندرجہ بالا نمبرات کے مطابق کام ہو تو ایک چلّہ بھی کافی ہے۔ اس میں روزہ طہارت وغیرہ بھی ہو تو نورٌ علیٰ نور چنانچہ "امداد السلوک" میں ہے کہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جو شخص چالیس دن اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کو اختیار کرے گا تو حکمت کے چشمے اس کے دل اور زبان سے ظاہر ہونے لگیں گے (الجامع الصغیر ص۱۶)

اخلاص وغیرہ جملہ شرائط کے کماحقہٗ پورا نہ ہوسکنے کے باعث متوسط درجہ کی استعداد والوں کیلئے تین چلّوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ اسباب اختیاری ہیں لیکن عطاء محض وہبی ہوتی ہے۔

فائدہ

اس درجہ کی اتنی عظیم الشان اہمیت بیان کرنے کے بعد اس کے حصول کے لیے نصاب کی مدت ایک چلّہ اور تین چلّوں کا پڑھ کر ناظرین ضرور حیران ہوں گے لیکن حضرت گنگوہیؒ کے مکتوب گرامی میں تو ایک ساعت بھی لکھی ہے اور خود حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کو یہ دولت صرف سات روز میں حاصل ہوگئی تھی۔ سات روز کے ذکر و شغل اور صحبت کے بعد حضرت حاجی صاحب قدس سرّہٗ نے فرمادیا تھا "جو کچھ مجھے دینا تھا دیدیا" لیکن چلّہ پورا کرا کر خلافت و اجازت سے نواز کر رخصت کیا۔ ہمارے سامنے حضرت مرشد عالم شیخ الحدیث قدس اللہ سرہٗ کے رمضانوں کے مجمع میں دیکھا گیا کہ سینکڑوں لوگوں کو یہ دولت ماہِ مبارک ہی میں حاصل ہوجاتی ہے اور وہ مکمل ہوجاتے ہیں۔ گو یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر کامیاب ہونے والے کو

بیعت کی اجازت بھی دیں کیونکہ اجازت دینے اور نہ دینے میں حصولِ نسبت کے علاوہ دیگر کئی شرائط و مصالح بھی ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے غیر مجاز اجازت حاصل کرنے والوں سے بہت بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہاں محبت کے راستہ میں اس موضوع کی تفصیل اور اس کو جاننے کا شوق اس راستہ کے مزاج کے خلاف ہے۔

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد، نہ شد نہ شد

بہر حال اگر موانع نہ ہوں تو اس دولت کے حصول کے لئے خواص کو ایک چلہ اور متوسط درجے والے کو تین چلّے بہت کافی ہیں اور اگر موانع ہوں تو چالیس برس بھی کم ہیں۔ اس لمبی مدت کا بھی مشائخ کے خدام میں خوب مشاہدہ ہوتا ہے اور ذاکرین میں ایک چیز جس کا ذکر گذشتہ اوراق میں بھی بار بار آچکا کہ ذکر کی تاثیر اور مجاہدوں کے اثرات سے کچھ کیفیات اور احوال تو محنت کرنے والوں کو حاصل ہو جاتے ہیں۔ جس کو ناواقفیت کی بنا پر نسبت سمجھ لیا جاتا ہے حالانکہ نسبت اور قبولیت کا حصول موانع کی موجودگی میں مشکل ہے یہ ساری بات اسباب کے درجے میں ہو رہی ہے آگے مالک کی مرضی ہے کہ کسی کو کوئی بھی دولت کسی حال میں بھی عطا فرمائیں اور موانع بعد میں دور فرما دیں۔ لیکن یہ شاذ ہے لہذا موانع کا معلوم ہونا ضروری ہے مختصر بیان تو گذشتہ اوراق میں بھی آیا، اور تفصیل تصوف کی کتب میں ہوتی ہے۔ بندہ کے رسالہ "اکابر کے سلوک و احسان" میں بھی مستقل ایک فصل ہے۔ لیکن پیش نظر رسالہ میں سلوک کی ساری باتیں سارے دلائل اس انداز سے بیان کرنے کا قصد کیا گیا تھا کہ عقلی طور پر بھی سمجھ میں آجائے، یہاں بھی چند موانع بیان کرتے ہیں جس کا اثر عقلی طور پر سمجھ میں آسکتا ہے۔

۱۔ محبت کے راستہ کے سالک کا مقصد جب محبوب کی رضا ہو تو اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ شریعت محبوب کی رضا کی میزان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کام کو جس درجہ میں منع فرمایا اسی درجہ کی اس کے ارتکاب سے ناراضگی ہوتی ہے اور یہ امر و نہی کی درجہ بندی جرم کی حیثیت اور جرم کی نسبت سے ہوتی ہے۔ اگر محبوب کی ناراضگی کی طرف نسبت کی جائے تو کوئی صغیرہ صغیرہ نہیں۔ محبت کی لائن میں تو یہ سوال ہی فضول ہے کہ کیا یہ گناہ صغیرہ ہے۔ تاکہ میں کر لوں اس کا کوئی حرج نہیں، اسی لیے حقیقی صحابہ کرام میں احکام کی اس طرح تقسیم اور حد بندی نہیں تھی۔ گو واقع میں تھی۔ جس کو فقہاء نے ہم ضعفاء کے لیے ظاہر کیا۔ اس کے بعد یہ بات کہ بندوں کے ساتھ نفس بھی ہے اور طبیعت بھی کمزور ہے۔ اس لیے ہر شخص گناہ گار ہے گو ہر کسی کا گناہ اس کے درجہ اور مقام کے مطابق ہوتا ہے حتیٰ کہ حضرات صوفیاء نے فرمایا ہے کہ "حسنات الابرار سیئات المقربین"۔

لیکن گناہوں کی دو قسمیں ہیں ایک نفسانی گناہ اور بشری کمزوریوں کی وجہ سے ہونے والی غلطیاں جو محبت کے سالکوں سے بھی ممکن ہیں اور کریم آقا کے ہاں اس کی معافی بہت ہے، لیکن دوسری قسم کے گناہ شیطانی اور بغاوت کی لائن کے ہوتے ہیں جیسے تکبر وغیرہ، محبت کے راستہ میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں، محبوب نے خود فرمایا "انہ لا یحب المتکبرین"۔ (تفصیل کے لیے رسالہ ام الامراض دیکھیں)

وکل یدعی وصلا بلیلیٰ
ولیلیٰ لا تقر لھم بذاک

۲۔ بعض باتوں پر محبوب نے اپنی طرف سے اعلان جنگ فرما دیا جس کا مطلب مردود کر دینا ہے، موٹی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایسی باتوں کی موجودگی

میں محبت کا راستہ ایک انچ بھی طے ہونا محال ہے۔ اس میں سے ایک تو سود ہے، اگر ذاکرین حقیقی سود سے بچ بھی جاتے ہیں۔ تو معاملات میں حکمی سود سے بچنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتا اور ذاکرین میں بڑے تاجر اور امیر لوگ تو سودی کاروبار سے تعاون انشورنس کمپنیوں کے حصے اور بلاضرورت قرض وغیرہ میں حقیقی سود کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔

دوسری چیز اولیاء اللہ کی اہانت اور ان سے دشمنی ہے اس میں ان کی غیبتیں وغیرہ سب داخل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنالیا ان کو تکلیف دینے پر بھی محبوب اعلان جنگ فرماتا ہے۔ (تفصیل کے لیے رسالہ "الاعتدال" دیکھیں)

۳۔ اقرباء سے قطع رحمی کرنا۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ "رحم" کا لفظ اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے نکالا گیا ہے جو اس کو ملائے "رحمن" اس کو ملائے گا اور جو اس کو قطع کرے گا "رحمن" اس کو قطع کرے گا" اب رحمٰن سے جوڑ پیدا کرنے والا قطع رحمی بھی کرتا ہے تو نتیجہ خود ہی سوچ لے اس سلسلہ میں صلہ رحمی کی تعریف بھی ملحوظ رکھنی چاہیئے حدیث پاک میں ہے:

عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الواصل بالمکافی۔ ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمه وصلها۔	ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص صلہ رحمی کرنیوالا نہیں ہے جو برابر برابر کا معاملہ کرنے والا ہو۔ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جو

وہ دوسرے کے توڑنے پر صلہ رحمی کرے۔ (بخاری)

۵ تو نہ چھوٹے مجھ سے یارب تیرا چھٹنا ہے غضب
یوں میں راضی ہوں مجھے چاہے زمانہ چھوڑ دے

۴: غیبت کرنے سے محبوب کو اتنی نفرت ہے کہ اپنے کلام پاک میں اس کو مُردار بھائی کے گوشت کھانے کے مثل فرمایا ہے۔ ایک شریف آدمی بھی مردار کھانے والے کو اپنے پاس بٹھلانا گوارا نہیں کرتا تو ایسے کو پاک ذات کا قرب کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔

۵: بہت سی خلاف شرع چھوٹی چھوٹی باتیں ایسی ہیں جو گناہ بے لذت کہی جا سکتی ہیں اور ان کے کرنے میں کسی قسم کا دنیاوی فائدہ بھی نہیں اور ان کو چھوڑنا بھی بے حد آسان، بلکہ بعض گناہوں کا تو کرنا نہ کرنے سے مشکل ہے۔ مثلاً ڈاڑھی سنت کے خلاف رکھنے کو لے لو اس کو سنت کے موافق کرنے میں کچھ تکلیف نہیں پھر بالکل منڈوانے میں تو کچھ نسوانی قسم کا مزہ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر محنت کر کے خراش تراش کر کے خلاف سنت بنانے میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ٹخنوں کے نیچے پاجامہ پہننا اس بارے میں جہنم کی وعیدیں سُن کر بھی صرف ایک انچ کپڑا کم کرنا پہاڑ معلوم ہوتا ہے، ان باتوں میں رسم و رواج اپنے قومی وقار وغیرہ کو جانب اللہ پر ترجیح ہو جاتی ہے جو محبت کے راستہ کے سخت منافی ہے۔

۶: علامات نفاق کا فکر نہ کرنا۔ بلا تکلف جھوٹ وعدہ خلافی اور خیانت کرنا سوچنے کی بات ہے۔ کہاں تو نفاق اور کہاں صدق و محبت کا راستہ؟

۷: کچھ موانع کا ذکر گذشتہ اوراق میں بھی گذر چکا ہے مزید دو باتوں کی طرف خصوصی توجہ دلانا ہے۔ اول سلوک کے اذکار و اشغال کو رذائل کے

دور کرنے اور محبت کے پیدا ہونے کی نیت کے بغیر ویسے ہی بطور وظیفہ پورا کرنا اور اس میں تاثیر پیدا کرنے والے صوفیاء کے مقرر کردہ طریقوں اور شرائط کی پرواہ نہ کرنا، مثلاً ذکر جہری میں ضرب و حرکت وغیرہ اور خفی میں وقوف قلبی اور بازگشت وغیرہ کو اہمیت نہ دی جائے گی تو اثرات کیسے پیدا ہوں گے۔ اگر خاص تاثیر کے بجائے ثواب کے لیے ہی ذکر مقصود تھا تو ماثورہ اوراد ان سے بہتر تھے۔

دوسری چیز صحبت شیخ میں آداب اور اس کی شرائط نہ بجالانا اس میں افتقاری محبت کے ساتھ نفع ہوتا ہے۔ محبّت کا یہ خاصہ ہوتا ہے کہ محبوب کے سینہ کی چیز محبّ کے سینہ میں آتی ہے اور بغیر عقیدت محبت اور افتقار کے کسی کی صحبت کا اثر نہیں ہوتا۔

تلقین ذکر میں اکابر کا طرز

سلوک کے قبول ہونے میں تہذیب اخلاق اور اصلاح اعمال کی اہمیت

الحمد للہ تعالیٰ خوب واضح ہو گئی، لیکن ذکر و شغل کی تلقین کے لیے اس کو مقدم یا مؤخر کرنے میں حضرات مشائخ کے طریقے مختلف رہے ہیں۔ بعض شروع میں تہذیب اخلاق پر زور دیتے ہیں۔ اور بعض ذکر پر۔ ہمارے اکابر اعلی اللہ مراتبھم نے بہت اعلیٰ اور اشرف طریقہ اختیار فرمایا جو اس دور میں بہت مناسب اور حصولِ مقصد میں کامیاب بھی ہے۔ وہ یہ کہ پہلے کچھ عرصہ مثلاً چھ ماہ تک مذکورہ بالا ابتدائی درجہ کے معمولات پر عمل کراتے ہیں جس سے اصلاح عقائد، اصلاح اعمال اور اصلاح اخلاق فرض کے درجہ میں حاصل ہو جاتے ہیں یا کم از کم سالک اس کی کوشش اور فکر میں لگ جاتا ہے اس کے ساتھ ہی ذکر شغل تعلیم فرما دیا جاتا ہے۔ جس کے غلبہ سے رذائل دب جاتے ہیں اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ رذائل اور معصیت کے تقاضوں کے متعلق عقلی

بغض تو پیدا ہو چکا ہوتا ہے ۔ مگر ان کی طرف نفسانی اور طبعی رغبت باقی ہوتی ہے ۔جس کا توڑ اذکار سے پیدا شدہ حبّ عشقی یعنی حبّ طبعی ہی سے ہو سکتا ہے ۔ اسی طرح جب صفات حقیقی کی تجلیات کا ورود ہوتا ہے تو بندہ کی وہی صفات ختم ہو جاتی ہیں مثلاً جب کبریائی کی تجلی ظاہر ہوتی ہے تو اپنا عجز ظاہر ہوگا ۔جب علم کی تجلی ہوئی تو اپنے جہل کا یقین ہو گیا جب تجلی وجودی ظاہر ہوئی تو اپنا لاشئی ہونا معلوم ہو گیا ۔

یہ سب ذکر شغل سے ہی ہوتا ہے اور اس طرح اذکار کے غلبہ سے کیفیتِ احسان پیدا ہو جانے پر قلب کی اصلاح جس کو فناءِ قلب کہتے ہیں حاصل ہو کر پورے جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے ۔جس کا قلب کی اصلاح پر موقوف ہونا بروئے حدیث پہلے ثابت ہو چکا ہے پھر جسم سے نکلنے والے تمام اعمال کی حقیقتاً اصلاح ہو جاتی ہے ۔یعنی ان میں اخلاص آجاتا ہے ۔

پس اصلاح کی فکر کے ساتھ ساتھ ذکر کی تلقین سے محبوب کی رضا والی حالت اور اس کی محبت و تعلق دونوں ساتھ ساتھ حاصل ہو جاتے ہیں ۔

اس کے بعد یہاں ارشاد الملوک سے دو باتیں نقل کرتا ہوں پہلی یہ کہ صحابہ کرام کو جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مختصر صحبت کی برکت سے فتوحات ہو جاتی تھیں اور ایک ہی جلسہ میں اتنے معارف اور حقائق حاصل ہو جاتے تھے کہ دوسروں کو سالہا سال کی خلوت میں حاصل نہ ہو سکتے ۔ اس ثمرہ کی وجہ یہ تھی کہ ارادت نام ہے ترک عادت کا اور صحابہ کرام کی عادت سب کو معلوم ہے ۔کہ جاہلیت کی رسوم تھیں ۔پس جب ایمان لانے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فیضانِ نبوّت سے سرفراز ہوئے تو ان سب رسوم و عادات کو یک لخت چھوڑ چھاڑ کر ایسے مطیع ہوئے کہ اطاعت میں

بدل و جان راضی تھے۔ اور بال برابر بھی فرق نہ آنے دیتے تھے۔ تو جب ان کی ارادت کا امتحان ہو گیا کہ وہ راہ طلب میں راسخ، صادق اور پختہ ہیں۔ پس حق تعالیٰ نے ان کے قلوب میں ایمان ڈال دیا اور ان کی ساری ہمت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت اور اس سر حلقہ محبوبان کے جمال باکمال کے ملاحظہ و زیارت میں مصروف تھی اور حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام فضائل و کمالات کے مجمع اور سرچشمہ تھے۔ جب آپ نے ان کو سچی ارادت میں مضبوط دیکھا تو قلب مبارک کے آفتاب کا عکس ڈالا اور نظر ہدایت اثر سے ایک نگاہ ڈال کر نبوت کے انوار اور معدن رسالت کے جواہر سے مشرف اور مالا مال بنا دیا چنانچہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے روایت ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے میرے سینے میں ڈالا تھا وہ میں نے ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا۔ پس حضرات صحابہ کے قلوب اس نور سے مکمل طور پر روشن ہو گئے اور ان کے وجود کا چراغ دان منور ہو گیا۔ بشری صفات ان کی بالکل مضمحل ہو گئیں اور اعلیٰ درجہ کے عابد، زاہد، صاحب علم و دانش، صاحب معرفت اور موحد کامل اور جملہ علوم میں راسخ اور مستحکم بن گئے۔ پھر انہی حضرات کی روشنیاں تابعین کے قلوب پر منعکس ہوئیں کہ جنہوں نے ان کے دل و جان کو بھی خالص نور بنا دیا اور اسی طرح آئندہ سلسلہ چلتا رہا چنانچہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے ہیں۔ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی پیروی کرو گے راہ یاب ہو جاؤ گے

یہ انہیں انوار کی طرف اشارہ ہے جو ستاروں کی طرح فرق مراتب کے ساتھ کم و بیش جملہ صحابہ کو ملے ہیں اور دوسروں کے قلوب میں منعکس ہو کر ان نورانی و عارف و واصل بناتے رہے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس کے دل میں سلوک الی اللہ کے ارادہ کا تخم پڑ

جائے تو اس کو اس تخم کی بہت زیادہ حفاظت کرنی چاہیئے ۔ کیونکہ یہ غیبی مہمان ہے ذرا بے توجہی سے خفا ہو کر چلا جائے گا پھر آنے کا نام نہ لے گا پس اس کی آمد کو غنیمت سمجھے اور اس کے مناسب غذائیں لاکر سامنے رکھے تاکہ پوری خوشی کے ساتھ وہ قبول کر لے ، اور ایسی غذائیں درحقیقت سوائے شیخ طریقت کے کہیں نہیں ملتیں کیونکہ ارادت کا تخم مرید کے دل میں اس بچہ کی مثل ہے جو عالمِ غیب سے پیدا ہو کر عالمِ شہادت یعنی دنیا میں آئے پس اس کی غذا بجز عالم غیب کے اس دودھ کے کچھ نہیں جو اس کی ماں کے پستان سے نکلتا ہے دوسری غذائیں راس نہیں آتیں بلکہ بازار کا دودھ بھی کماحقہ راس نہیں آتا اس طرح ارادت کا نور جو مرید کے دل میں توفیق الٰہی غیب سے پیدا ہوا ہے اس کی تربیت کے لیے معرفت کا وہ پانی ہے جس کو فیاض باری عزاسمہ چشمۂ غیب سے اہل معرفت کے قلوب پر ارزانی فرماتا ہے ۔ کوئی دوسری شئی راس نہیں آسکتی اور اہل معرفت سے مراد وہ مشائخ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت سے مشرف ہوئے اور فیوض وارادتِ خداوندی کا ان پر فیضان ہوا اور وہ اللہ والے ہو گئے ۔ چنانچہ "عوارف" میں لکھا ہے حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے میرے سینے میں ڈالا تھا میں صدیق اکبرؓ کے سینہ میں ڈال چکا ۔

پس جس شخص کو ارادت حاصل ہو تو اس کو اپنی رائے و عقل پر اعتماد نہ کرنا چاہیئے بلکہ اپنے آپ کو شیخ کے حوالے کر کے اطّلاع ، اتباع ، اعتقاد ، انقیاد کو اخلاص و ہمت کے ساتھ عمل میں لاوے ۔

ذکر و شغل کا نصاب

چاروں سلسلوں کے اذکار و اشغال مفصل طور پر "ضیاء القلوب" "ارشاد الملوک" "صراط مستقیم" میں درج ہیں ۔ لیکن یہ طالبین کے لیے نہیں ہیں یہ معالجین مشائخ

کے لیئے ہیں، تاکہ ان میں سے طالب کی حالت کے مطابق کوئی سا ذکر و شغل تجویز کریں۔ لہٰذا یہ کام شیخ کا ہے اس لیے اس کا کوئی نصاب لکھا بیکار ہے اور سنا ہوا یا کتاب سے دیکھا ہوا ذکر تقلیدی ذکر کہلاتا ہے جس کا سلوک کی لائن میں کچھ اثر نہیں اور جو ذکر ایسے صاحب اجازت شیخ سے اخذ کیا جائے جس کے اخذ کا سلسلہ فخر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلّم تک مسلسل ہو وہ تحقیقی ذکر ہے۔ یہی ذکر مرید کے باطن میں تصرّف کرتا ہے اور اس کو ولایت و قرب کے مرتبہ پر پہنچاتا ہے۔

اس راستہ کا منتہی | ایک تو اس ترقی کی حد ہے اور کام کی مدت ہے اس کے متعلق تو اتنا ہی کافی ہے ؎

عبث ہے جستجو بحرِ محبت کے کنارے کی
بس اس میں ڈوب ہی جانا ہے اے دل پار ہو جانا

اور اسی کو شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

دوسری چیز منتہی کا حال ہے | اس کا حال بالکل عام آدمی کا سا ہو جاتا ہے لیکن وہ باقی باللہ ہوتا ہے جوش و عشق کیفیت وغیرہ کچھ نہیں رہتی ؎

دل ڈھونڈتا سینہ میں میرے بوالعجبی ہے
اک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کاں سوختہ جاں شد و آواز نیامد

این مدعیان در طلبش بے خبرانند
آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

ان میں کوئی تو تعلیم وارشاد کوئی دعوت و تبلیغ اور کوئی اصلاح معاش میں مشغول رہتا ہے اور ان حضرات کے مقام کو کوئی پہچان نہیں سکتا حال کے لحاظ سے مبتدی، متوسط، منتہی کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی دریا کے کنارے خشکی پر کھڑا ہو، جو تیرنا بھی نہیں جانتا آرام سے ساکت کھڑا ہے، دوسرا دریا میں تیر کر اسے پار کر رہا ہے اس کی حالت بہت عجیب و غریب ہو گی اس کا کمال ظاہر ہو رہا ہو گا گو خطرہ کا امکان ہو گا، اس کو دیکھ کر چاروں طرف سے واہ واہ ہو گی، اور تیسرا وہ جو پار کر کے دوسرے کنارے جا کر کھڑا ہو جائے وہ دیکھنے میں پہلے کی طرح ساکت ہو گا، لیکن پہلے سے تو اس کو کچھ بھی نسبت نہیں اور دوسرے سے زیادہ باکمال اور خطرے سے باہر ہو گا اور اس کی باطنی حالت ایسی ہو گی جیساکہ "ارشاد الملوک" میں لکھا ہے "مرید جب اپنی بدایہ کی طرف لوٹ جائے گا تو نہایت کو پہنچ جائے گا" یعنی ماں کے پیٹ میں جب کہ حق تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا صورت عطا فرمائی اور روح پھونکی تو بجز حق تعالیٰ شانہٗ کے ماں صورۃً بھی اس کا کوئی نگہبان یا مربی نہ تھا، یہ کمال فقر و احتیاج اور عجز و کمزوری کی حالت میں خدا پر بھروسہ کیے ہوئے تھا۔ خضوع اور تواضع اور تذلل کے ساتھ متصف تھا۔ حسد و کینہ و خود پسندی و تکبر وغیرہ صفات مذمومہ سے بالکل منزہ تھا اور جملہ عیوب سے مبرا۔ خودی اور خودی کی نفی تک سے بے خود اور بے خبر تھا پس اسی طرح سالک جب انجام کار اپنی حالت ایسی بنا لے گا جیسی کہ شکم مادر میں ابتدائی حالت تھی تو نہایت کو پہنچ جائے گا اور یہی حالت صوفی کا کمال ہے اور اسی مرتبہ میں کمال عبدیت اور آزادی از شوائب نفس حاصل ہوتی ہے۔

آخری گذارش۔ حیرت و عبرت انگیز سوال

احقر نے یہ رسالہ عوام کے لیئے اس راستہ کی دعوت دینے اور شوق دلانے کے لیے لکھا ہے اور بزرگوں کی معتبر کتب سے نقل کی ہیں۔ جن کو علماء حضرات بندہ کی بہ نسبت زیادہ سمجھتے ہیں اور صحیح مانتے ہیں۔

بلکہ اپنے درسوں میں متعلقہ آیات واحادیث کی تشریح میں یہی مضامین بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا یہی حضرات اس راستہ کو اختیار کرنے کے زیادہ اہل واحق تھے۔ اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جن حضرات سے ہم نے علوم حاصل کیئے۔ وہ اور ان کے اساتذہ کے ہاں اس راستہ کی کس قدر اہمیت ہے مگر کچھ ایسا دیکھا جارہا ہے کہ علماء کرام کی اکثریت کو اس طرف رغبت کچھ کم ہے۔ یہ حضرات خود اس کی وجہ سوچ کر ازالہ کی فکر کریں ۔

آپ ہی اپنے ذرا طرزِ ادا کو دیکھیں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اِس بے رغبتی کی ایک وجہ یہ ہے کہ علمی خدمات میں آدمی اپنے کو بنتا ہوا دیکھتا ہے اور اس کا نفع ظاہر ہے اس میں برتری اور عظمت کے نشان درس تدریس تصنیف وعظ تبلیغ میں اپنے علوم و کمالات ظاہر ہوتے ہیں۔ جس سے لوگوں کے قلوب جھکتے ہیں لیکن قلب کی اصلاح میں مشغولی کا معاملہ بالکل برعکس ہوتا ہے کہ وہاں بنتا تھا یہاں مٹتا ہے۔ وہاں شہرت اور برتری تھی یہاں گمنامی اور اپنی حقارت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ چھوٹے کو (عوام کو) مزید چھوٹا بننا آسان ہوتا ہے لیکن بڑے عالم کو چھوٹا بننا مشکل ہے اور انسانوں میں عالم دین سے بڑھ کر کسی کی بڑائی اور عزت متصوّر نہیں اور قلب کی اصلاح کے لیے کسی اپنے ہی

جیسے یا علم میں اپنے سے بہت کم درجہ کے شیخ کے سامنے پامال ہونا پڑتا ہے۔ اس کی جوتیاں سیدھی کرنی پڑتی ہیں۔ بلکہ جوتیاں کھانے کے لیے تیار رہنا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نفس کو کب گوارا ہو سکتا ہے۔ نفس کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے اس طرف آنے نہیں دیتا۔

دوسرا حصہ نفرت کے بیان میں (نفرت و محبت کا تلازم)

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

تمہید:۔ ایک طرف بندہ کا اکثر ماحول خالص دنیاداری اور غفلت کا رہا اور احقر کے کچھ اہل تعلق ایسے ہیں جو اپنے خیال میں دینی امور کے لحاظ سے پورے دیندار اور دنیاوی امور میں پورے آزاد وہ دین و دنیا کی جامعیت کے حصول کی خود فریبی میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ یہ وہ اجتماع ضدین ہے جو محال ہے

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں — ایں خیال است و محال است جنوں

دوسری طرف اللہ کریم کے خاص فضل و رحمت سے بندہ کو خالص دینی و معیاری ماحول سے بھی خادمانہ تعلق ہے جس میں بندہ اپنے کو ایسا محسوس کرتا ہے جیسا کہ کوا راج ہنسوں میں شامل ہو گیا ہو۔ اس صورت حال کی وجہ سے بندہ کو ایک اندرونی بے چینی اور ذہنی کش مکش لاحق ہے۔ چند سال قبل ایک رسالہ "محبت" کے نام سے لکھا، اس کے بعد پاکستان کا سفر ہوا وہاں اپنے اور عزیزوں کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ہم میں محبت کے جذبات و اعمال کے مثبت پہلو یعنی حب فی اللہ میں اتنی کمی نہیں جتنی منفی پہلو یعنی بغض فی اللہ میں کمی ہے اور صرف کمی ہی نہیں بلکہ مبغوض اعمال اور مبغوض خیالات کے ساتھ صلح و رضامندی اور پسندیدگی تک نوبت پہنچ گئی ہے

جو کہ بہت خطرناک حالت ہے، اس کے کئی درجات ہیں بعض دفعہ تو صرف گناہ کبیرہ ہی ہوتا ہے اور بعض حالات میں یہ کیفیت نفاق اور کفر تک پہنچ جاتی ہے، مثلاً دیکھا جاتا ہے کہ عبادات، اذکار، نوافل کی پابندی کیساتھ معاشرت، معیشت واخلاق میں پوری آزادی خصوصاً اولاد کے معاملہ میں ان کی دنیاوی ترقی کے ظنی اسباب کو اس درجہ ملحوظ رکھا جاتا ہے جن سے چاہے آخرت بالکل ہی تباہ ہو جائے یا کم از کم بچہ آخرت کی تباہی کے راستے پر پڑ جائے والدین کے طرز عمل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ ہم تو اب دنیا کے قابل رہے نہیں، چلو ہم جنت ہی کے اعمال کر لیتے ہیں مگر یہ ہماری پیاری اولاد خدانخواستہ ابھی سے جنت کی تیاری میں کیوں لگے ہم نے ان کو قرآن پڑھا دیا (بلکہ بعض تو حفظ بھی کرا دیتے ہیں) اگر بڑے ہو کر خود جنت کے راستہ پر آجائیں تو ان کی قسمت مگر اب ہم تو پوری طرح نصرانی اسکولوں کے ذریعہ ان کی ایسی تربیت کریں گے کہ جنت کے راستہ کی استعداد ہی خراب ہو جائے اور بچپن میں جو رواج یا شوق کے تحت قرآن پڑھ لیا تھا اس میں وقت ضائع ہونے کا افسوس کریں یہ نیک لوگ اپنی تربیت کردہ اولاد کے لیے تہجد میں ہدایت کی دعا مانگ کر اپنے آپ کو سبکدوش سمجھتے ہیں حالانکہ ایسی دعاؤں کا دنیا میں کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا، خواہ یہ دعائیں اللہ جل شانہ کے مقبول بندے قبولیت کے مقامات اور قبولیت کے اوقات میں رو رو کر کریں۔ یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ اسباب میں مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ وہ چاہیں تو بغیر اسباب کے بھی نتیجہ ظاہر فرما دیں، لیکن یہ بات کرامات کی قسم سے ہوتی ہے جسکو خرق عادت کہا جاتا ہے اور ایسی کرامات ہی کا ظہور ہوتا رہے تو اسباب کی مشروع ہونے کی حکمت ختم ہو جائے اور دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے۔

البتہ دعا کرنے والے کو آخرت میں اس کا ثواب ملے گا کیونکہ دعا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے) قیامت کے دن اولاد جھگڑے گی اور بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض کرے گی" ربنا اطعنا سادتنا وکبرأنا فاضلونا السبیلا" (یعنی گمراہی کا الزام بڑوں پہ لگائے گی) یہی معاملہ اولاد کی شادیوں میں اور یہی طرزِ عمل اپنے کاروبار اور دیگر معاملات وتعلقات میں ہوتا ہے۔
حب فی اللہ کے اعمال میں اکثر مال کی قربانی یا جسمانی مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بغض فی اللہ میں اکثر جاہ کی قربانی اور جی چاہنے کے خلاف قلبی محبتوں کے خلاف رواج اور ماحول کے خلاف کرنا پڑتا ہے جو کہ نسبتاً بہت مشکل ہے۔ اس لیے ارادہ کیا جیسے ایمان کی ایک دستاویز حب فی اللہ یعنی محبت میں ایک رسالہ لکھا، اسی طرح ایمان کی ایک دوسری دستاویز بغض فی اللہ میں بھی کچھ لکھا جائے تاکہ محبّت کے مضمون کی تکمیل ہو۔ کیونکہ یہ دونوں دستاویزیں بہت حد تک آپس میں لازم وملزوم ہیں کہ ایمان بلا محبّت کے نہیں اور حب فی اللہ بغض فی اللہ کو بھی چاہتا ہے جتنی ان دونوں صفتوں میں کمی ہوتی ہے اتنی ہی ایمان میں کمزوری ہوتی ہے۔ پھر اس کمزور ایمان کے ساتھ نماز روزہ حج زکوٰۃ جیسی عظیم الشان عبادات جن پر اسلام کی بنیاد ہے اور یہی ارکان اسلام ہیں جو محض صورت بلا روح کے رہ جاتے ہیں۔ اس لیے ان کی باقی زندگی پر کوئی نمایاں اثر نہیں ہوتا اور معاملات واخلاق کی اصلاح نہیں ہوتی اور ایسے ایمان والے اسلام کے برکات وثمرات سے خود بھی محروم رہتا ہے اور ایسی دینداری میں غیروں کے لیے بھی کوئی کشش نہیں ہوتی۔

دنیا میں جس شخص کو ایمان کی دونوں دستاویزیں (یعنی بغض فی اللہ اور حب فی اللہ) جس درجہ کی حاصل ہیں اسی درجہ کی اس کی زندگی پر لطف اور

پر سکون ہو گی اور جتنی کمی ہو گی اتنی اس کی زندگی خراب اور تنگ ہو گی اور وہ پریشانیوں میں مبتلا ہو گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

من عمل صالحاً من	ترجمہ: جو شخص نیک کام
ذکر او انثیٰ	کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت
وھو مؤمن فلنحیینہٗ	بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم
حیٰوۃ طیبۃ ولنجزینھم	اس شخص کو (دنیا میں تو) بالطف
اجرھم باحسن	زندگی دیں گے اور آخرت
ما کانوا یعملون۔	میں) ان کے اچھے کاموں کے
(بیان القرآن)	عوض میں انکا اجر دیں گے
ومن اعرض عن	اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے
ذکری فان لہٗ معیشۃً	تو اسکو ملنی ہے گزران تنگی کی۔
ضنکاً و نحشرہ یوم القیٰمۃ	اور لائیں گے ہم اس کو دن قیامت
اعمیٰ ؕ۔	کے اندھا۔

حضرت سعید ابن الجبیرؒ نے تنگی معیشت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ان سے قناعت کا وصف سلب کر لیا جاوے گا اور حرص دنیا بڑھا دی جاوے گی۔

(مظہری)

جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس کے پاس کتنا ہی مال و دولت جمع ہو جائے قلبی سکون اس کو نصیب نہیں ہو گا، ہمیشہ مال بڑھانے کی فکر اور اس میں نقصان کا خطرہ اس کو بے چین رکھے گا اور یہ بات عام اہل تموّل (مالداروں) میں مشاہد اور معروف ہے۔ جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس سامان راحت تو بہت جمع ہو جاتا ہے مگر جس کا نام راحت ہے وہ نصیب نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ قلب کے سکون و اطمینان کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔" (معارف القرآن)

اور اسی طرح اسباب سعادت دارین اور اسباب پریشانی، اور لعنت وغضب کو دیگر آیاتِ قرآنیہ اور سیکڑوں احادیث شریفہ میں بہت وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے (تفصیل کے لیے "فضائل صدقات" اور "اسباب السعادۃ" مؤلفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ ملاحظہ کریں)

اس لیے دعوے اور اطمینان سے کہا جا سکتا ہے کہ مکمل ایمان دار یعنی حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کے حامل ہر شخص کی دونوں جہانوں کی زندگی انتہائی خوشگوار، پُرسکون اور باعزت ہوگی، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا نافرمان یا بعض اعمالِ خیر کو اختیار کرنے والا لیکن اس کے ساتھ بعض اعمال شر کو چھوڑنے یا ان سے نفرت نہ کرنے والے کی زندگی انتہائی پریشان اور ذلت کی ہوگی۔ اور ہم سب کو ان دونوں قسموں کا مشاہدہ بھی ہے۔ اگر کسی کو ہمارے دعوے کے خلاف کہیں نظر آئے تو یقیناً اس کی کوتاہ نظری ہے اور سراب کی طرح نظر کا دھوکہ ہے۔ اگر کوئی چاہے تو دونوں طبقوں کو قریب سے دیکھ مشاہدہ کر لے جس کو ہم نے محبّت کے حصّہ اول میں تفصیل سے لکھا بھی ہے۔

اس مختصر رسالہ میں تین فصلیں ہوں گی۔ فصل اوّل بغض فی اللہ کا حکم آیات واحادیث میں، فصل دوم بغض فی اللہ میں صحابہ کرام اور بزرگوں کے واقعات کا اپنے حالات سے موازنہ۔ فصل سوم بغض فی اللہ کے حاصل کرنے کا طریقہ تو وہی ہے جو محبّت کے حصول کا طریقہ رسالہ "محبّت" میں لکھا جا چکا کہ یہ بھی محبّت ہی کے لوازمات اور آداب میں سے ہے ؎

ایک تم سے کیا محبّت ہو گئی،
ساری دنیا ہی سے نفرت ہو گئی

اور اگر سچی محبت ہوتی تو ؎

محبت تجھ کو آدابِ محبت خود سکھا دے گی

اس تحریر میں صرف سوچنے اور فکر کرنے کی دعوت ہے تاکہ اپنے اندر حب فی اللہ کے ہونے کے دعویٰ کی حقیقت سامنے آئے اور اپنے ایمان کی قوت وضعف کا حال معلوم ہو جس پر ہماری عبادات و اعمالِ خیر کے وزن وقیمت کا مدار ہے۔

فصل اوّل آیات

(۱) یا ایہا الذین امنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

(۲) ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار

ظالموں کی طرف مائل نہ ہونا ورنہ تم کو آگ پکڑ لے گی۔

(۳) قل ان کان آباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموها وتجارة تخشون کسادها ومساکن ترضونها احب الیکم من الله ورسوله وجهاد فی سبیله

اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے صاف صاف کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے ماں باپ، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور تمہارا وہ مال و دولت جس کو تم نے محنت سے کمایا ہے اور تمہاری اور تمہاری وہ چلتی ہوئی تجارت جس کی کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو اور تمہارے رہنے

فتربصوا حتیٰ یأتی اللہ بامرہ واللہ لا یہدی القوم الفاسقین۔

کے وہ اچھے مکانات جو تم کو پسند ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول اور اللہ کے دین کی راہ میں جد وجہد سے زیادہ تم کو محبوب ہیں، تو انتظار کرو تاآنکہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم اور فیصلہ نافذ کر لے اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

(۴) یایہا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیہم ومأوٰہم جہنم وبئس المصیر۔

اے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کفار سے اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور سختی کیجئے ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور بری جگہ ہے۔

(۵) فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما۔

اے پیغمبر! تیرے پروردگار کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ حکم بنائیں تجھے اپنے نزاعی معاملات میں پھر (جب تو اپنا فیصلہ دیدے تو) کوئی تنگی اور ناگواری نہ پائیں اپنے دلوں میں تیرے فیصلہ سے اور تسلیم کر لیں اس کو

پوری طرح مان کر۔

(۶) ولا یجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا۔	ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جو اس سبب سے بغض ہے کہ انہوں نے مسجد حرام میں جانے سے روک دیا ہے وہ بغض تمہارے لیئے اس کا باعث نہ بن جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ۔

اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ بغض ہوتے ہوئے بھی زیادتی نہ کرو بغض اپنی جگہ ہے اور انصاف اپنی جگہ :

(۷) لاتجدوا قوماً یؤمنون باللّٰہ والیوم الاٰخر یوادون من حاد اللّٰہ ورسولہ ولو کانوا آباءھم او ابناءھم او اخوانھم اوعشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ ویدخلھم جنّٰت تجری	تو نہ پائے گا کسی قوم کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوں اللہ کے اور اس کے رسول کے خواہ وہ اپنے باپ ہوں یا اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے گھرانے کے ان لوگوں کے دلوں میں اللہ نے لکھدیا ہے ایمان اور ان کی مدد کی ہے اپنے غیب کے فیض سے اور داخل کرے گا ان کو اپنے باغوں میں جن

من تحتها الانهار	کے نیچے بہتی ہیں نہریں یہ
خالدین فیہا رضی	ہمیشہ رہیں ان میں اللہ ان سے
اللہ عنھم ورضوا	راضی اور وہ اس سے راضی وہ
عنہ اولئک	لوگ ہیں گروہ اللہ کا، سنتا
حزب اللہ الا ان حزب	ہے! جو گروہ اللہ کا وہی مراد کو
اللہ ھم المفلحون۔	پہنچے۔

مطلب یہ ہے کہ جب یہ لوگ اللہ کے واسطے سب سے ناراض ہوئے تو اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا، اس کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ یعنی جو دوستی نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ کے مخالف سے اگرچہ باپ بیٹے ہوں وہی سچے ایمان والے ہیں ان کو یہ درجے ملتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان یہی تھی کہ اللہ ورسول کے معاملہ میں کسی چیز اور کسی شخص کی پرواہ نہیں کی، اسی سلسلہ میں ابوعبیدہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا، جنگ بدر میں ابوبکر صدیقؓ اپنے بیٹے کے مقابلے میں نکلنے کو تیار ہو گئے، مصعبؓ بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو، عمرؓ بن الخطاب نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو، علیؓ بن ابی طالب اور حمزہؓ اور عبیدہؓ بن الحارث نے اپنے اقارب عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا اور رئیس المنافقین کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ نے جو مخلص مسلمان تھے عرض کیا یارسول اللہؐ! آپ حکم فرماویں تو اپنے باپ کا سر کاٹ کر خدمت میں حاضر کروں، لیکن آپ نے منع فرمادیا، فرضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ورزقنا اللہ تعالیٰ حبھم واتباعھم واماتنا علی حبھم۔ آمین۔

احادیث

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لابی ذرؓ ایّ عری الایمان اوثق؟ قال اللہ ورسولہٗ اعلم قال الموالاۃ فی اللہ، والحب فی اللہ والبغض فی اللہ (رواہ البیہقی کذا فی المعارف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ تبلاؤ ایمان کی کون سی دستاویز زیادہ مضبوط ہے (یعنی ایمان کے شعبوں میں کونسا شعبہ زیادہ پائیدار ہے) ابوذر نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی زیادہ علم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے لیے باہمی تعلق وتعاون اور اللہ کے واسطے کسی سے محبت، اور اللہ ہی کے لیے کسی سے بغض وعداوت۔

(۲) عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ان احب الاعمال الی اللہ تعالیٰ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیئے ہو اور وہ بغض وعداوت جو اللہ تعالیٰ کے لیئے ہو۔ (مشکوٰۃ)

(۳) مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث میں ہے کہ:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتزلہ العرش،

جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ ناراض ہوتے ہیں اور عرش تھرّانے لگتا ہے۔

(۴) اعتدال میں "جامع الصغیر" سے ایک حدیث نقل کی ہے" اہل معاصی کے بغض کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے یہاں تقرب حاصل کرو اور ان سے تُرش روئی سے ملو اور ان سے ناراضی میں اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کرو اور ان سے دور رہنے میں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو۔

مطلب یہ لکھا ہے کہ اِس معصیت سے بغض رکھو نہ کہ اس شخص کی ذات سے

(۵) من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان۔ (رواہ ابوداؤد)

جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے محبّت کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے بغض کیا، اللہ تعالیٰ کے لیے دیا اور اللہ ہی کے لیے نہ دیا تو اس نے ایمان کامل کر لیا۔

فصل

بغض فی اللہ میں صحابہ اور بزرگوں کے واقعات

اور ساتھ ساتھ اپنے حالات کا موازنہ، کہ یہ دیکھیں کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی اور اس کے پاک رسولؐ کی فرمانبرداری کہاں تک کرتے ہیں۔ جس پر ہم لوگ ہر وقت اس کے بھی منتظر رہتے ہیں کہ وہ برکات و ترقیات و ثمرات جو صحابہ کرام کو حاصل ہوتے تھے ہمیں بھی حاصل ہوں۔ اگر واقعی ہم لوگ اس چیز کے متمنی ہیں تو ہمیں بھی وہ کرنا چاہیئے جو وہ حضرات کر کے دکھلا گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا چادر جلا دینا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں ہم لوگ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے میں حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا میرے اوپر ایک چادر تھی جو کسم کے رنگ میں ہلکی سی رنگی ہوئی تھی، حضورؐ نے دیکھ کر فرمایا یہ کیا اوڑھ رکھا ہے؟ مجھے اس سوال سے حضورؐ کی ناراضگی کے آثار معلوم ہوئے گھر والوں کے پاس واپس ہوا تو انہوں نے چولہا جلا رکھا تھا میں نے وہ چادر اس میں ڈال دی، دوسرے روز جب حاضری ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا وہ چادر کیا ہوئی، میں نے قصہ سنا دیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، عورتوں میں سے کسی کو کیوں نہ پہنا دی عورتوں کے پہننے میں مضائقہ نہ تھا۔ (حکایات صحابہ بحوالہ ابوداؤد)

اگرچہ چادر کے جلا دینے کی ضرورت نہ تھی، مگر جس کے دل میں کسی کی ناراضگی اور ناگواری کی چوٹ لگی ہوئی ہو وہ اتنی سوچ کا متحمل ہی نہیں ہوتا کہ اس کی کوئی اور صورت بھی ہو سکتی ہے۔ ہاں مجھ جیسا نالائق ہوتا تو نہ معلوم کتنے احتمالات پیدا کر لیتا کہ یہ ناگواری کس درجہ کی ہے اور دریافت تو کر لوں اور کوئی صورت اجازت کی بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور حضورؐ نے پوچھا ہی تو ہے منع تو نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔

حضرت ابن عمرؓ کا اپنے صاحبزادے سے کلام چھوڑ دینا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دے دیا کرو، ابن عمرؓ کے ایک صاحبزادہ نے عرض کیا کہ ہم تو اجازت

نہیں دے سکتے کیونکہ وہ اس کو آئندہ چل کر بہانہ بنالیں گی آزادی و فساد اور آوارگی کا حضرت ابن عمرؓ بہت ناراض ہوئے بُرا بھلا کہا اور فرمایا کہ میں تو حضورؐ کا ارشاد سناؤں اور تو کہے اجازت نہیں دے سکتے، اس کے بعد سے ہمیشہ کے لیے ان صاحبزادہ سے بولنا چھوڑ دیا۔ (مسلم ابوداؤد)

ف:۔ صاحبزادہ کا یہ کہنا کہ فساد کا حیلہ بنالیں گی اپنے زمانہ کی حالت کو دیکھ کر تھا، اسی وجہ سے خود حضرت عائشہؓ ارشاد فرماتی ہیں کہ اگر حضورؐ اس زمانہ کی عورتوں کا حال دیکھتے تو ضرور عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرما دیتے حالانکہ حضرت عائشہؓ کا زمانہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ زیادہ بعد کا نہیں، لیکن اس کے باوجود حضرت ابن عمر کو اس کا تحمل نہیں ہو سکا کہ حضور کے ارشاد کو سن کر اس میں کوئی تردد یا تأمل کیا جائے اور صرف اس بات پر کہ حضورؐ کے ارشاد پر انھوں نے انکار کیا عمر بھر نہیں بولے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بھی اس میں دقتیں اٹھانی پڑیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی اہمیت کی وجہ سے، جو ان کی جان تھی مسجد سے روکنا بھی مشکل تھا اور زمانہ کے فساد کی وجہ سے جس کا اندیشہ اسی وقت سے شروع ہو گیا تھا اجازت بھی مشکل تھی۔

احقر اقبال عرض کرتا ہے کہ یہ ساری بحث تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے تقابل میں منع کرنے کے متعلق ہے لیکن عورتوں کی گھر کی نماز کی فضیلت مسجد نبوی کی نماز پر خود حدیث پاک سے ثابت ہے اور جانے والیوں کے لیے جانا درست نہ ہونے کا فتویٰ پہلے ہو چکا ہے، حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحبؒ کا ایک مستقل رسالہ کفایت المفتی میں شائع ہوا ہے۔ مفتی عبدالرحیم لاجپوری کے فتاویٰ میں ایک مستقل مضمون بھی شائع ہوا ہے۔ بندہ نے اس بارے میں ایک مفصل استفتاء لکھ کر موجود سارے

بڑے بڑے مفتی حضرات دیوبند، مظاہرالعلوم، بنوری ٹاؤن کراچی، جامعہ رشیدیہ ساہیوال وغیرہ کے دستخط کرائے ہیں، مگر جو عورتیں جذبات اور آزادی کی بنا پر نہیں مانتیں تو بزرگ حضرات ان کو سختی سے منع بھی نہیں فرماتے۔

حضرت ابن مغفل کا اپنے بھتیجے سے کلام چھوڑ دینا

حضرت عبداللہ بن مغفل کا ایک نوعمر بھتیجہ خذف سے کھیل رہا تھا۔ انہوں نے دیکھا اور فرمایا کہ برادرزادہ! ایسا نہ کرو حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ نہ شکار ہوسکتا ہے نہ دشمن کو نقصان پہنچایا جاسکتا ہے اور اتفاقاً کسی کے لگ جائے تو آنکھ پھوٹ جائے، دانت ٹوٹ جائے بھتیجہ کم عمر تھا۔ اس نے جب چچا کو غافل دیکھا پھر کھیلنے لگا۔ انہوں نے دیکھ لیا اور فرمایا کہ میں تجھے حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد سناتا ہوں تو پھر اسی کام کو کرتا ہے خدا کی قسم تجھ سے کبھی بات نہیں کرونگا اور ایک دوسرے قصے میں اسکے بعد ہے کہ خدا کی قسم نہ تیرے جنازہ میں شریک ہونگا نہ تیری عیادت کرونگا۔ (ابن ماجہ دارمی)

(ف) خذف اس کو کہتے ہیں کہ انگوٹھے پر چھوٹی سی کنکر رکھ کر اسکو انگلی سے پھینک دیا جائے بچوں میں اس طرح عام طور سے کھیلنے کا مرض ہوتا ہے وہ ایسا تو ہوتا نہیں کہ اس سے شکار ہوسکے ہاں آنکھ میں اگر کسی کے اتفاقاً لگ جائے تو زخمی کرہی دے، حضرت عبداللہ بن مغفل کو اس کا تحمل نہ ہوسکا کہ حضورؐ کا ارشاد سنانے کے بعد بھی وہ بچہ اس کام کو کرلے، ہم لوگ صبح سے شام تک حضورؐ کے کتنے ارشادات سنتے ہیں اور ان کا کتنا اہتمام کرتے ہیں، ہر شخص خود ہی اپنے متعلق فیصلہ کرسکتا ہے۔

بدر میں ابوبکرؓ و ابن ابوبکر کا واقعہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے نے اسلام قبول کرنے کے بعد عرض کیا کہ ابا جان جنگ بدر کے

موقع پر آپ میرے سامنے آگئے تھے میں قتل کر سکتا تھا لیکن پدری تعلق کی وجہ سے رُخ موڑ کر چلا گیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بیٹا اگر تو میرے سامنے آجاتا تو میں ہرگز نہ چھوڑتا، قتل کر ڈالتا۔ کیونکہ اس وقت تو دشمنانِ اسلام کے لشکر میں شریک ہو کر آیا تھا۔

امّ حبیبہ رضؓ کا اپنے باپ کو بستر پر نہ بٹھانا

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضؓ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں، دونوں خاوند بیوی ایک ساتھ ہی مسلمان ہوئے حبشہ کی ہجرت بھی اکٹھے ہی کی وہاں جاکر خاوند مرتد ہو گیا اور اسی حالت ارتداد میں انتقال کیا حضرت ام حبیبہ رضؓ نے یہ بیوگی کا زمانہ حبشہ ہی میں گزارا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہیں نکاح کا پیغام بھیجا اور حبشہ کے بادشاہ کی معرفت نکاح ہوا۔ نکاح کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائیں۔ صلح کے زمانہ میں انکے باپ ابوسفیان مدینہ طیبہ آئے کہ حضورؐ سے صلح کی مضبوطی کے لیے گفتگو کرنی تھی بیٹی سے ملنے گئے وہاں بستر بچھا ہوا تھا اس پر بیٹھنے لگے تو حضرت ام حبیبہ رضؓ وہ بستر الٹ دیا، باپ کو تعجب ہوا کہ بجائے بستر بچھانے کے اس بچھے ہوئے کو بھی الٹ دیا۔ پوچھا کہ یہ بستر میرے قابل نہ تھا اس لیے لپیٹ دیا یا میں بستر کے قابل نہ تھا؟ حضرت ام حبیبہ رضؓ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے پیارے اور پاک رسولؐ کا بستر ہے اور تم بوجہ مشرک ہونے کے ناپاک ہو اس پر کیسے بٹھا سکتی ہوں۔ باپ کو اس بات سے بہت رنج ہوا اور کہا تم مجھ سے جدا ہونے کے بعد بری عادتوں میں مبتلا ہو گئیں، مگر ام حبیبہ رضؓ پر حضور کی جو عظمت تھی اس کے لحاظ سے وہ کیسے اس کو گوارا کر سکتی تھیں کہ ناپاک مشرک باپ ہو یا کوئی غیر، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بستر پر بیٹھ سکے۔

عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی کا اپنے باپ سے معاملہ

ایک غزوہ سے واپسی پر جب مدینہ منورہ قریب آیا تو حضرت عبداللہ بن عبداللہ ابن اُبی جو پکے مسلمانوں میں تھے مدینہ منوّرہ سے باہر تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور باپ عبداللہ بن ابی سے کہنے لگے کہ تمہیں اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک تو اس کا اقرار نہ کرلے کہ تو ذلیل ہے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم عزیز ہیں، اس کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ صاحبزادہ ہمیشہ سے باپ کے ساتھ بہت احترام اور نیکی کا برتاؤ کرنے والے تھے لیکن حضور کے مقابلہ میں تحمل نہ کر سکے (کیونکہ اُن کے باپ نے جو کہ منافق تھا مدینہ منورہ سے باہر کہا تھا کہ ہم مدینہ پہنچ کر عزت والے مل کر ذلیلوں کو نکال دیں گے) آخر مجبور ہو کر اقرار کیا واللہ میں ذلیل ہوں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم عزیز ہیں۔ اس کے بعد مدینہ منوّرہ میں داخل ہو سکا۔

ربیعہ بنت معوّذ کی غیرت

حضرت ربیعہ کے والد حضرت معوّذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوجہل کے قتل کرنے والوں میں ہیں، ایک عورت جس کا نام "اسماء" تھا عطر بیچا کرتی تھی وہ ایک مرتبہ چند عورتوں کے ساتھ ربیّعہ کے گھر بھی گئی اور ان سے نام حال پتہ وغیرہ جیسا کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے دریافت کیا انہوں نے بتلادیا ان کے والد کا نام سُن کر کہنے لگی تو اپنے سردار کے قاتل کی بیٹی ہے۔ ابوجہل چونکہ عرب کا سردار سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے اپنے سردار کا قاتل کہا، یہ سُن کر ربیّعہ کو غصہ آگیا کہنے لگیں میں غلام کے قاتل کی لڑکی ہوں ربیّعہ کو غیرت آئی کہ ابوجہل کو اپنے باپ کا سردار سُنے اس لیے انہوں نے اپنے غلام کے لفظ سے ذکر کیا۔ اسماء کو تو ابوجہل کے متعلق غلام کا لفظ سُن کر غصہ آیا اور کہنے لگی مجھ پر حرام ہے کہ

تیرے ہاتھ عطر فروخت کر دوں۔ ربیعہ نے کہا کہ مجھ پر بھی حرام ہے کہ تجھ سے عطر خریدوں میں نے تیرے عطر کے سوا کسی عطر میں گندگی نہیں دیکھی۔ ربیعہ کہتی ہیں کہ میں نے بدبو کا لفظ اس کے جلانے کو کہا تھا یہ حمیت اور دینی غیرت تھی کہ دین کے اس سخت دشمن کے متعلق وہ سردار کا لفظ سن نہ سکیں۔ آج کل دین کے بڑے سے بڑے دشمن پر بھی اس سے اونچے اونچے لفظ بولے جاتے ہیں اگر کوئی شخص منع کرے تو وہ تنگ نظر بتایا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ منافق کو سردار مت کہو اگر وہ تمہارا سردار ہو گیا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا۔ (ابوداؤد)

حضرت عثمانؓ کا طواف سے انکار

صلح حدیبیہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو اپنی طرف سے قاصد بنا کر سردارانِ مکہ کے پاس بھیجا وہ تشریف لے گئے تو صحابہ کو رشک ہوا کہ عثمان مزے سے کعبہ کا طواف کر رہے ہوں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے امید نہیں کہ وہ میرے بغیر طواف کریں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ مکہ میں داخل ہوئے تو ابان بن سعید نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا اور ان سے کہا کہ جہاں دل چاہے چلو پھرو تم کو کوئی نہیں روک سکتا۔ حضرت عثمان ابوسفیان وغیرہ مکہ کے سرداروں سے ملتے رہے اور حضور کا پیغام پہنچاتے رہے، جب واپس ہونے لگے تو کفار نے خود درخواست کی کہ تم مکہ میں آئے ہو طواف کرتے جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ حضورؐ تو روکے گئے ہوں اور میں طواف کر لوں قریش کو اس جواب پر غصہ آیا جس کی وجہ سے انہوں نے حضرت عثمان کو روک لیا۔ مسلمانوں کو خبر پہنچی کہ ان کو شہید کر دیا گیا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے آخر دم تک لڑنے پر بیعت کی تھی جو

بیعت شجرہ یا بیعت رضوان کہلاتی ہے۔ اس قصہ میں حضرت عثمانؓ کا احرام کی حالت میں اور مدینہ منورہ سے چل کر بیت اللہ شریف کے پاس پہنچ کر اور طواف کے لیے کفار کی خود درخواست پیش کرنے کے بعد طواف سے انکار کرنا حضورؐ کے ساتھ بے انتہا عشق و محبت کی خبر دیتا ہے۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ کا اپنے باپ کو انکار

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

زمانہ جاہلیت میں اپنی ننھال جا رہے تھے بنو قیس نے قافلہ کو لوٹا جس میں زید بھی تھے یہ بچے تھے غلام بن کر فروخت ہوئے تو حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے لیے اس کو خرید لیا اور حضرت خدیجہؓ نے ان کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کر دیا حارثہ کو ان کے فراق کا بے حد صدمہ تھا۔ وہ ان کے فراق میں اشعار پڑھتے تھے اور روتے ہوئے ڈھونڈتے پھرا کرتے تھے اتفاق سے ان کی قوم کے چند لوگوں کا حج کو جانا ہوا اور وہاں پر انہوں نے زید کو پہچانا باپ کا حال سُنایا شعر سُنایا اور ان کی یاد اور فراق کی داستان سنائی، حضرت زیدؓ نے ان کے تین شعر کہہ کر بھیجے جن کا مطلب یہ تھا کہ میں یہاں مکہ میں ہوں خیریت سے ہوں تم غم اور صدمہ نہ کرو میں بڑے کریم لوگوں کی غلامی میں ہوں ان لوگوں نے جا کر زید کی خیر خبر ان کے باپ کو سنائی اور وہ اشعار سُنائے اور پتہ بتلایا زید کے باپ اور چچا فدیہ کی رقم لے کر ان کو غلامی سے چھڑانے کے لیے مکہ مکرمہ پہنچے اور حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ اے ہاشم کی اولاد اور اپنی قوم کے سردار تم لوگ حرم کے رہنے والے ہو اور اللہ کے گھر کے پڑوسی تم خود قیدیوں کو رہا کراتے ہو بھوکوں کو کھانا دیتے ہو ہم اپنے بیٹے کی طلب میں تمہارے پاس پہنچے ہیں

ہم پہ احسان کرو اور کرم فرماؤ اور فدیہ قبول کر لو اور اس کو رہا کر دو بلکہ جو فدیہ ہو اس سے زیادہ لے لو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے عرض کیا کہ زیدؓ کی طلب میں ہم لوگ آئے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بس اتنی سی بات ہے عرض کیا بس حضورؐ یہی عرض ہے آپؐ نے فرمایا اس کو بلا لو اور اس سے پوچھ لو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو بغیر فدیہ ہی کے وہ تمہاری نذر ہے اور اگر نہ جانا چاہے تو میں ایسے شخص پر جبر نہیں کر سکتا جو خود نہ جانا چاہے۔ انہوں نے عرض کیا آپ نے استحقاق سے بھی زیادہ احسان کیا۔ یہ بات خوشی سے منظور ہے۔ حضرتِ زیدؓ بلائے گئے آپؐ نے فرمایا تم ان کو پہچانتے ہو۔ عرض کیا جی ہاں پہچانتا ہوں یہ میرے باپ ہیں اور یہ میرے چچا۔ حضورؐ نے فرمایا میرا حال بھی تمہیں معلوم ہے اب تمہیں اختیار ہے میرے پاس رہنا چاہو تو میرے پاس رہو۔ ان کے ساتھ جانا چاہو تو اجازت ہے۔ حضرت زیدؓ نے عرض کیا حضورؐ میں آپ کے مقابلے میں بھلا کس کو پسند کر سکتا ہوں، آپ میرے لیے باپ کی جگہ بھی ہیں اور چچا کی جگہ بھی۔ ان دونوں باپ چچا نے کہا زید! غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہو اور باپ چچا اور سب گھر والوں کے مقابلہ میں غلام رہنے کو زیادہ پسند کرتے ہو۔ زیدؓ نے کہا ہاں، میں نے ان میں (حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ایسی بات دیکھی ہے جس کے مقابلہ میں کسی چیز کو پسند نہیں کر سکتا حضورؐ نے جب جواب سنا تو ان کو گود میں لے لیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ زیدؓ کے والد اور چچا بھی یہ منظر دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور خوشی سے ان کو چھوڑ کر چلے گئے۔ حضرت زیدؓ اس وقت بچے تھے بچپن کی حالت میں سارے گھر کو عزیز و اقارب کو غلامی پر قربان کر دینا جس محبت کا پتہ دیتا ہے وہ ظاہر ہے۔

انصاری کا مکان ڈھانا

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ دولت کدہ سے باہر تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں ایک قبہ (گنبد دار حجرہ) دیکھا جو اونچا بنا ہوا تھا۔ ساتھیوں سے دریافت کیا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ فلاں انصاری نے قبہ بنایا ہے حضورؐ سن کر خاموش ہو رہے کسی دوسرے وقت وہ انصاری حاضر خدمت ہوئے اور سلام کیا حضورؐ نے اعراض فرمایا سلام کا جواب نہ دیا انہوں نے اس خیال سے کہ شاید خیال نہ ہوا ہو دوبارہ سلام کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر بھی اعراض فرمایا اور جواب نہ دیا وہ اس کے کیسے متحمل ہو سکتے تھے۔ صحابہؓ سے جو وہاں موجود تھے دریافت کیا پوچھا تحقیق کیا کہ میں آج حضورؐ کی نظروں میں پھرا ہوا پاتا ہوں خیر تو ہے۔ انہوں نے کہا حضورؐ باہر تشریف لے گئے تھے۔ راستہ میں تمہارا قبہ دیکھا اور دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا ہے۔ یہ سُن کر وہ انصاری فوراً گئے اور اس کو توڑ کر ایسا زمین کے برابر کر دیا کہ نام و نشان ہی نہ رہا اور پھر آکر عرض بھی نہیں کیا۔ اتفاقاً حضورؐ ہی کا اس جگہ کسی دوسرے موقع پر گذر ہوا تو دیکھا کہ وہ قبہ وہاں نہیں ہے۔ دریافت فرمایا صحابہؓ نے عرض کیا کہ انصاری نے آنحضرت کے اعراض کا کئی روز ہوئے ذکر کیا تھا ہم نے کہہ دیا تھا کہ تمہارا قبہ دیکھا ہے۔ انہوں نے جا کر اس کو بالکل توڑ دیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہر تعمیر آدمی پر وبال ہے مگر وہ تعمیر جو سخت مجبوری اور ضرورت کی ہو۔

ف :- یہ کمال عشق کی بات ہے ان حضرات کو اس کا تحمل ہی نہیں تھا کہ چہرہ انور کو رنجیدہ دیکھیں یا کوئی شخص اپنے سے حضورؐ کی گرانی کو محسوس کرے۔ ان صحابی نے قبہ کو گرایا اور پھر یہ بھی نہیں کہ گرانے کے بعد جتانے کے طور پر آکر کہتے کہ آپ کی خوشی کے واسطے گرادیا۔

صحابہؓ کا سرخ چادروں کا اتارنا

حضرت رافع کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہم رکاب تھے اور ہمارے اونٹوں پر چادریں پڑی ہوئی تھیں جن میں سرخ ڈورے تھے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ یہ سرخی تم پر غالب ہوتی جاتی ہے۔ حضورؐ کا یہ ارشاد فرمانا تھا کہ ہم لوگ ایسے گھبرا کے اٹھے کہ ہمارے بھاگنے سے اونٹ بھی ادھر ادھر بھاگنے لگے اور ہم نے فوراً سب چادریں اونٹوں سے اتار لیں۔

سر کے بال کٹانا

وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا میرے سر کے بال بہت بڑھے ہوئے تھے سامنے آیا تو ارشاد فرمایا "زباب زباب" میں یہ سمجھا کہ میرے بالوں کو ارشاد فرمایا۔ میں واپس گیا اور ان کو کٹوا دیا۔ جب دوسرے دن حاضر خدمت ہوا تو ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا لیکن یہ اچھا کیا۔

ف: زباب کے معنی منحوس کے بھی ہیں اور بری چیز کے بھی۔ یہ اشاروں پر مر مٹنے کی بات ہے کہ منشا سمجھنے کے بعد خواہ وہ غلط ہی سمجھا ہو اس کی تعمیل میں دیر نہ ہوتی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ سے حضرت عمرؓ کی درخواست کہ تھوڑی نرمی فرماویں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے زمانۂ خلافت کی ابتدا میں بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اور ہر طرف سے ارتداد کا زور تھا۔ ایسی حالت میں حضرت عمرؓ جیسے بہادر نے بھی حضرت صدیقؓ سے درخواست کی کہ تھوڑی سی نرمی فرمادیں حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ کو ڈانٹا اور فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں متشدد اور زمانۂ اسلام میں نامرد و بزدل۔ خدا کی قسم جو شخص ایک بکری کا بچہ زکوٰۃ کا حضورؐ کے زمانہ میں دیتا تھا اور اب نہ دے گا اس سے بھی قتال کروں گا۔ بعض حدیثوں میں ہے کہ اگر ایک رسی بھی زکوٰۃ کی اس وقت دیتا تھا

اوراب نہ دے گا تو اس سے بھی قتال کروں گا۔

یہ تھی دین پر پختگی اور دین کا تحفظ کہ ان حضرات کے ہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اتباع سے ذرا سا ہٹنا بھی یقینی طور سے اپنی ہلاکت کے مترادف اور سخت مشکل تھا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلہ کے بعد حضرت عمرؓ کا فیصلہ

دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہوا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں قصہ پہنچا حضورؐ نے ایک شخص کے حق میں فیصلہ دیدیا جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے درخواست کی کہ اس قصہ کو حضرت عمرؓ کے سپرد فرما دیں حضورؐ نے قبول فرما لیا۔ حضرت عمرؓ کے یہاں قصہ پہنچا اور پورا واقعہ معلوم ہوا، حضرت عمرؓ مکان میں تشریف لے گئے اور تلوار نکال کر اس شخص کو قتل کر دیا جو اُن کے ہاں مرافعہ لیکر گیا تھا اور فرمایا کہ جو شخص حضورؐ کے فیصلہ کو قبول نہ کرے اس کا میرے یہاں یہی فیصلہ ہے۔

لیکن آج حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلوں کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے آج حضورؐ کے کتنے ارشادات کے خلاف طبع آزمائی ہو رہی ہے حضورؐ کی کتنی سنتوں کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے۔ حضورؐ کے زوردار احکام کی کس بے دردی سے مخالفت کی جا رہی ہے۔ ایک دو ہو تو کوئی گنوا دے۔

جہاد میں ریشمی لباس پر حضرت عمرؓ کی سختی

حضرت عمرؓ جب پہلی مرتبہ بیت المقدس تشریف لے جا رہے تھے تو قرب وجوار کی فوجوں کے سپہ سالاروں کو حکم دیا کہ اپنی فوجوں پر اپنا قائم مقام کسی کو بنا کر مجھ سے مقام جابیہ میں آکر ملیں۔ یہ سب امراء جابیہ پہنچے سب سے اوّل یزید بن ابی سفیان سے پھر حضرت ابو عبیدہؓ سے پھر حضرت خالدؓ سے ملاقات ہوئی یہ حضرات کچھ ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر سواری سے اُترے اور پتھر اُٹھا اُٹھا کر ان حضرات کو مارنا شروع کر دیا اور فرمایا کہ کس قدر جلد تم اپنے خیالات سے ہٹ گئے کہ اس ہیئت میں مجھ سے ملنے آئے ہو ابھی دو ہی برس سے تم کو پیٹ بھر کر

ملنے لگی ہے جس پر یہ حالت ہوگئی ہے۔ اگر دو برس کی امارت کے بعد بھی تم اس ہیئت کو اختیار کرتے تو میں تمھاری جگہ دوسروں کو امیر بناتا انہوں نے معذرت کی اور عرض کیا کہ ہم نے ہتھیار لگائے ہوتے یہ کپڑا اوپر پہن لیا تھا۔

أأترك سنة حبيبي لهؤلاء الحمقاء

حضرت حذیفہ رضؓ ایک دفعہ سفر میں تھے آپ کے دست مبارک سے کھانا کھاتے وقت لقمہ گر گیا۔ آپ اس کو اٹھا کر صاف کر کے منہ میں ڈالنے لگے عجمی لوگ یہ دیکھ رہے تھے۔ خادم نے چپکے سے یہ کہا کہ حضرت ایسا نہ کیجئے یہ عجمی لوگ گرے ہوئے لقمہ کو اٹھا کر کھانے کو بہت برا مانتے ہیں اور ایسے لوگوں کو بنظر حقارت دیکھتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا " أأترك سنة حبيبي لهؤلاء الحمقاء "، کیا میں ان بیوقوفوں کی وجہ سے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دوں۔

اسلام کی بدولت عزت

حضرت عمر رضؓ جس وقت شام تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں ایک جگہ کچھ گارا پانی آگیا آپ اونٹ پر سے اترے موزے اتار کر شانہ پر رکھ لئے اور اس میں گھس کر اونٹ کی نکیل ہاتھ میں پکڑ لی وہ ساتھ ساتھ تھا حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضؓ نے عرض کیا کہ آپ نے یہ ایسی بات کی کہ شام والے تو اس کو بڑی ذلت کی چیز سمجھتے ہیں میرا دل نہیں چاہتا کہ اہل شہر آپ کو اس حالت پر دیکھیں آپ نے اُن کے سینہ پر ایک ہاتھ مارا اور ارشاد فرمایا ابوعبیدہ تمھارے علاوہ کوئی دوسرا شخص ایسی بات کہتا تو میں عبرت انگیز سزا دیتا ہم لوگ ذلیل تھے اللہ جل شانہٗ نے اسلام کی بدولت عزت فرمائی پس اب جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے عزت دی اس کے سوا جس چیز کے ساتھ عزت ڈھونڈیں گے تو اللہ جل شانہٗ ہم کو ذلیل کر دیں گے۔

حقیقتاً مسلمان کے لئے اصل عزت اللہ تعالیٰ کے یہاں کی عزت ہے دنیا اور دنیا والوں کے نزدیک اگر ذلت ہوتی تو کیا اور کے دن کی ہے

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکیں ✿ وہ نہ سمجھیں کہ میری بزم کے قابل نہ رہا

بادشاہ کے خط کو تنور میں ڈالنا

حضرت کعب بن مالک رضؓ جب کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کا بائیکاٹ کروایا ہوا تھا کہ کوئی اُن سے بات نہیں کرتا تھا اُن کی بیوی بھی اُن سے جدا کروادی تھی غرض زمین اُن پر اپنی وسعت کے باوجود تنگ تھی اس حالت میں اُن کے پاس شاہ غسان کا خط آیا کہ تمھارے سردار نے تم کو ذلیل کر رکھا ہے تم ہمارے پاس چلے آؤ ہم تم کو عزت دیں گے اُن کو خط پڑھ کر اتنا رنج ہوا کہ خط کو سامنے تنور میں ڈالدیا اور زبانِ حال سے فرمایا ؎

تیرے مہر ناوں انہاں دا قہر چنگا
جنے ڈبیاں بیڑیاں تاریاں نے (پنجابی)

میری طرف سے وعلیکم السلام مت کہنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ فلاں آدمی نے آپ کو سلام عرض کیا ہے تو ابن عمر رضؓ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اُس نے بدعت ایجاد کی ہے، اگر ایسا ہی ہے کہ وہ بدعت میں پھنس گیا تو اس کے سلام کے جواب میں میری طرف سے وعلیکم السلام مت کہو۔ (اطاعت رسولؐ بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۳/۲)

بدعتی کو سلام کر دیا تھا

سعید بن کریز بیان کرتے ہیں کہ سلیمان تیمی بیمار ہوئے تو حالتِ مرض میں بہت کثرت سے رونا شروع کیا آخر آپ سے عرض کیا گیا کہ حضرت آپ کیوں روتے ہیں۔ کیا موت سے اس قدر گھبراہٹ ہے؟ فرمایا نہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ایک روز میرا گذر ایک بدعتی پر ہوا تھا جو تقدیر کا منکر اور مخلوق کو قادر سمجھتا تھا۔ میں نے اس بدعتی کو سلام کر لیا تھا۔ تو اب مجھے سخت خوف ہے کہ میرا پروردگار کہیں مجھ سے اس کے متعلق حساب نہ کرے۔

ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر

محمد بن سہل بخاری فرماتے ہیں کہ ہم لوگ امام غزالیؒ کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے بدعتیوں کی مذمت شروع کی تو ہم نے عرض کیا کہ اگر آپ یہ ذکر چھوڑ کر ہم کو حدیث سناتے تو زیادہ پسند

تھا۔ امام غزالی رح یہ سنکر بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ بدعتیوں کی تردید میں میرا کلام کرنا مجھے ساٹھ برس کی عبادت سے زیادہ پسند ہے۔

سہل بن عبداللہ تستری کا ارشاد ہے کہ جو مبتدع سے دوستی رکھے۔ اس سے سنّت علیحدہ ہو جائے گی اور جو مبتدع کے ساتھ ہنسے گا۔ حق تعالیٰ اس کا نور ایمان چھین لے گا۔

تیس برس تک جواب طلبی ہوئی

فتاوٰی بزازیہ میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ فرمایا؟ کہنے لگے کہ مجھ پر عتاب ہوا اور تیس ۳۰ سال تک جوابدہی کیلئے مجھے ٹھہرائے رکھا اس قصور پر کہ میں نے ایک بدعتی کو شفقت بھری نگاہوں سے دیکھا تھا اور مجھ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ میرے دین کے دشمن سے تو نے عداوت کیوں نہ رکھی۔

حضرت گنگوہیؒ کی بدعت سے نفرت

حضرت حافظ محمد صالح صاحبؒ جو قطب العالم حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز تھے پنجاب میں ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے ایک دفعہ بغرض زیارت گنگوہ حاضر ہوئے۔ اس زمانہ میں بہت سفر پیدل بھی کرنا پڑتا تھا جب حضرت قدس سرہٗ سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے۔ تو حضرت نے مصافحہ نہیں فرمایا اور سلام کا جواب بھی نہیں دیا۔ حافظ صاحب حضرت کے عشاق اور خصوصی خدام میں تھے بہت پریشان ہو کر عرض کیا کہ بندہ سے جو قصور ہوا ہو معاف فرمایا جائے۔ حضرت نے فرمایا۔ آجکل گنگوہ میں عرس ہو رہا ہے آپ عرس کے دنوں میں کیوں آئے عرض کیا کہ حضور مجھ کو تو اس کا بالکل علم نہیں تھا کہ یہ عرس کے دن ہیں۔ فرمایا کہ تم کو تو علم نہ تھا۔ مگر جو لوگ عرس کے لئے آرہے ہیں انھیں کے ساتھ تمہارا آنا بھی شمار ہوا، من کثر سواد قوم فھو منھم،، لہٰذا اسی طرح واپس جاؤ حافظ صاحب وطن واپس آئے۔

بنیا سچّا میرا بھائی جھوٹا

اکابر میں ایک بزرگ تھے سالار بخش صاحب اُن کے بھائی کا ہندوؤں سے مقدمہ تھا۔ مسئلہ کچھ قومی نوعیت

کا تھا، تحریر اور گواہ دونوں طرف نہیں تھے۔ ہندوؤں نے عدالت میں کہا کہ اس معاملہ کی حقیقت مدعی کے بھائی ملّا سالار بخش کو معلوم ہے اگر وہ شہادت دیدیں تو ہمیں اُن کی شہادت منظور ہو گی۔ جج انگریز تھا اس نے مولوی سالار بخش کو پیغام بھیجا کہ ایک واقعہ میں آپ کے بیان کی ضرورت ہے عدالت میں تشریف لے آئیں۔ انہوں نے کہلوایا کہ میں نے ساری عمر کبھی کسی فرنگی کافر کا منہ نہیں دیکھا اس لئے میں نہیں آسکتا۔ جج صاحب نے کہلوایا کہ آپ میری شکل نہ دیکھیں دیوار کی طرف منہ کر کے بیان دے جاویں کیونکہ معاملہ ضروری ہے۔ چنانچہ یہ گئے اور صاحب کی میز کی طرف پشت کر کے کھڑے ہوتے اور کہا "پوچھے فرنگی کیا پوچھے ہے"، جج نے معاملہ پڑھ کر سنایا اور پوچھا کہ اس میں آپکا بھائی سچّا ہے یا بنیا سچّا ہے۔

مولوی صاحب نے فرمایا "میرا بھائی جھوٹا بنیا سچّا"۔ صاحب نے فیصلہ بنئے کے حق میں کر دیا اور کہا کہ مسلمان ہار گئے لیکن اسلام جیت گیا۔

منہ میں سانپ

حضرت شیخ الحدیث صاحب آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں کہ اپنے بچپن میں اپنے سارے گھرانے بلکہ خاندان میں یہ معمول دیکھا کہ ہولی کے (ہندوؤں کے ایک تہوار ہے جس میں پانچ سات روز یہ لوگ ایک دوسرے پر رنگ پھینکتے ہیں) دنوں میں رنگا ہوا کپڑا نہیں پہنا جاتا تھا، عروس (دلہنیں) بھی سفید کرتیاں اور کالے پاجامے پہنا کرتی تھیں۔ سرخ رنگ سے بچنے کا بہت ہی اہتمام دیکھا تھا۔ ایک بزرگ بہت ہی نیک پابند صوم وصلوٰۃ اوراد و وظائف تھے ان کے انتقال کے بعد اُن کو کسی نے خواب میں دیکھا۔ نہایت ہی پر تکلف مکان ہے نہایت عمدہ بستر ہیں قالین ہیں نہایت ہی پُر تکلف تخت پر آرام کر رہے ہیں۔ مگر ہونٹوں پر ایک چھوٹا سا سانپ کا بچّہ لپٹ رہا ہے۔ خواب دیکھنے والے نے اُن سے بڑی حیرت سے پوچھا کہ اس اعزاز واکرام کے ساتھ یہ سانپ کیسا؟ انہوں نے کہا کہ ہولی کے زمانہ میں میں نے پان کھا رکھا تھا اور ایک مریل سا گدھا سامنے کو جا رہا تھا میں نے ایک پان کی پیک اس پر تھوک کر مذاقاً یہ کہدیا۔ آج ساری دنیا رنگی ہوئی ہے تجھے کسی نے

نہ رنگا تجھے میں رنگ دوں ۔

دہلی کی آخری شمع

حضرت مولانا مملوک العلی صاحب نانوتوی جو علماء دیوبند کے استاذ الکل ہیں اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرّہٗ کے نانا تھے اُن کو انگریزوں سے اس درجہ نفرت تھی کہ ملنا تک پسند نہ فرماتے تھے۔ سرکاری درسگاہ میں سالہا سال ملازم رہنے کے باوجود انگریز سے نفرت کا یہ عالم تھا کہ ریذیڈنٹ بہادر مدرسہ کے معائنہ کو آئے تو آپ کے علم و مرتبہ کے خیال سے ہاتھ ملایا جب تک صاحب بہادر رہے تو مولانا نے ہاتھ کو جسم سے اس طرح الگ رکھا جیسے کوئی نجس چیز کو دور رکھتا ہے، صاحب کے جاتے ہی بہت احتیاط سے ہاتھ کئی بار دھویا۔ (دہلی کی آخری شمع)

انگریز کے کباب

حضرت شیخ الہند رح سے کسی نے پوچھا کہ ہر قوم کی کوئی نہ کوئی بات تو اچھی ہوتی ہے، انگریزوں کی بھی کوئی بات آپ کو اچھی لگتی ہے. فرمایا اُن کے کباب کئے جائیں تو اچھے لگیں ۔

یہود و نصاریٰ سے نفرت اور مدینہ پاک کا ادب

حضرت اقدس عارف باللہ مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی قدس سرّہٗ کا واقعہ۔ ایک دفعہ جناب حاجی ارشد صاحب مرحوم سابق چیف انجینیئر محکمہ فون جدہ تبلیغی جماعت کے ایک کارکن جناب حاجی عمر مینا جاپانی کو مولانا کی زیارت کروانے کے لئے لائے بندہ بھی ہمراہ تھا۔ حضرت رح کی عادت تھی کہ زیارت کو آنے والے خواہ کتنے ہی آدمی ہوں ہر ایک سے الگ الگ کوئی نہ کوئی بات ضرور کرتے اور خیریت پوچھتے۔ چنانچہ حاجی عمر مینا سے پوچھا آپ کا کیا حال ہے؟ اُن کے جواب دینے سے پہلے حاجی ارشد صاحب نے عمر مینا سے پوچھا

(انگریزی میں) کہا کہ حضرت آپ کا حال پوچھ رہے ہیں۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ انگریزی میں اتنی بات تو ان سے میں بھی کہہ سکتا ہوں، لیکن یہ صاحب پاکستان ہندوستان میں تبلیغی جماعت کے ساتھ رہے ہیں اور جماعت میں کام کرنے والے غیر ملکی حضرات اردو کی یہ عام باتیں ضرور سمجھ لیتے ہیں چنانچہ واقعی وہ سمجھ بھی گئے تھے اور انھوں نے جواب بھی دیا، "الحمد للہ اچھا ہے"، فرمایا کہ جب یہود و نصاریٰ کا داخلہ اس مدینہ منورہ میں قانون کے خلاف ہے تو میں پسند نہیں کرتا کہ ان کی زبان کا ایک لفظ بھی بلاضرورت یہاں بولا جائے۔

دوسرا واقعہ خود بندہ کے ساتھ پیش آیا کہ جب میں اقامہ کی نیت سے مدینہ پاک حاضر ہوا تو حضرت مولانا رح کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرت بہت شفقت فرماتے تھے کہ چونکہ حضرت شیخ الحدیث صاحب (مرشدی حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دام مجدہم) سے تمھارا تعلق ہے اس لئے مجھے تم سے محبت ہے حضرت نے پوچھا یہاں کیا کام کروگے؟ عرض کیا میری سرکاری ملازمت تھی ٹیلیفون کا کام آتا ہے اور کچھ نہیں جانتا۔ یہ خیال ہے کہ یہاں پاکستانی بچوں کو انگریزی وغیرہ پڑھا دیا کروں گا، فوراً فرمایا کہ تمھارے لئے انگریزی پڑھانے کی تو رائے میں نہیں دیتا۔ زبان کے ساتھ اس قوم کی معاشرت بھی آتی ہے۔ گو لوگ اب انگریزی پڑھیں گے اور پڑھانے والے پڑھائیں گے مگر تمھاری اس کام میں شرکت نہ ہو تو اچھا ہے کوئی دوسرا کام کرو عرض کیا کہ موسم میں کوئی چیز بیچ لیا کروں گا یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس میں میں بھی تمھاری مدد کروں گا اور اپنے ایک دوست سے کہہ دونگا کہ تمھیں ساتھ لگائے۔

ہم نے اپنے بزرگوں کو "خالفوا الیھود و النصاریٰ" کا نمونہ دیکھا ان سچے عشاق کی ساری زندگیوں میں حُبّ فی اللہ اور بغض فی اللہ کو بہت نمایاں دکھایا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائے۔

حضرت مولانا الیاس صاحب قدس سرہٗ نے ایک صحبت میں فرمایا ذرا سوچو تو! جس قوم کے آسمانی علوم (حضرت مسیح علیہ السلام کے لائے ہوئے علوم) کا چراغ علوم محمدی (قرآن وسنت) کے سامنے گل ہوگیا بلکہ من جانب اللہ منسوخ قرار دیدیا گیا اور براہِ راست اس سے روشنی حاصل کرنے کی صاف ممانعت فرما دی گئی تو اس قوم کے اہواء وامانی (یعنی اُن کے خود ساختہ نظریوں کو) اس حامل قرآن وسنت اُمت محمدیہ کا اختیار کر لینا اور اسکو صحیح طریقہ کار سمجھ لینا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنا قبیح اور کس قدر موجبِ غضب ہوگا؟ اور عقلاً بھی یہ بات کتنی غلط ہے کہ محمدی وحی کے محفوظ ہوتے ہوئے عیسائی قوموں کے طور طریقوں کی پیروی کی جائے۔ کیا یہ علوم محمدی کی سخت ناقدری نہیں۔

مکتوب حضرت معصومؒ سرہندی

حضرت خواجہ معصوم سرہندی قدس سرہٗ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ،

سچ تو یہ ہے کہ دوستانِ محبوب سے محبت اور دشمنانِ محبوب سے عداوت لوازم محبت سے ہے۔ محبّ صادق بے اختیار ان دونوں باتوں کو عمل میں لاتا ہے اور دوستانِ دوست کس قدر اچھے نظر آتے ہیں اور دشمنانِ دوست کتنے زشت اور بدمعلوم ہوتے ہیں۔ (یہ بات محتاج بیان نہیں) اور یہ بات عشق مجازی میں بھی بالکل ظاہر اور نمایاں ہے۔ جو شخص دعویٰ دوستی کرے اس کا دعویٰ ہرگز قبول نہیں ہوگا۔ جب تک محبوب کے دشمنوں سے اظہار بیزاری نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم" الآیۃ ایک جگہ فرماتا ہے لقد کان لکم فیھم اسوۃ حسنۃ" الآیۃ ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ طالبِ حق کو غلط قسم کے لوگوں سے بیزاری بھی ضروری ہے اور ناگزیر ہے

روز کا وعدہ بندہ روزانہ رات کی آخری نماز وتر میں اللہ تعالیٰ سے "نخلع ونترک من یفجرک" کا وعدہ کرتا ہے اور صبح فساق وفجار سے تعلق اور اپنی اولاد کے فسق وفجور پر راضی رہتا ہے۔ یہ مذاق نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ دعا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہی سکھائی اور کفار سے لیکر مسلمین تک اور اپنیک سے لیکر اپنے متعلقین تک سے انکے فجور کے سبب سے بقدر اسکے فجور کے مقاطعہ (بائیکاٹ) کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

حضرت عمرو بن الجموع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ "بندہ صریح ایمان نہیں پا سکتا تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ کے لئے بغض نہ کرے، جس کسی میں یہ صفت پیدا ہو گئی کہ وہ اللہ کے لئے محبت رکھتا ہے اور اللہ کے لئے بغض رکھتا ہے تو وہ مستحق ولایت ہو گیا۔" (رواہ احمد)

عبرت انگیز واقعہ حضرت شیخ دام مجدہم تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ نے اپنے مکاتیب میں ایک بڑا قابل عبرت قصہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص کی عیادت کو گیا وہاں پہنچ کر دیکھا کہ انتقال کا وقت بالکل قریب ہے۔ میں نے اس پر توجہ ڈالی تو اس کے دل کو ظلمتوں سے بھرا ہوا پایا۔ ہر چند میں نے توجہ کی کہ اس کے دل پر سے یہ ظلمتیں دور ہو جائیں مگر دور نہ ہوئیں بڑی دیر توجہ کے بعد محسوس ہوا کہ یہ ظلمتیں اہل کفر سے دوستی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ یہ تو توجہ سے زائل نہ ہونگی۔ جہنم کے عذاب ہی سے زائل ہوں گی۔

(مکتوبات دفتر اول حصہ چہارم)

کس قدر خوف اور عبرت کا مقام ہے کہ بعض کدورتیں دل پر ایسی پیدا ہو جاتی ہیں کہ اللہ والوں کا تعلق جو اکسیر ہے وہ بھی ان کے مقابلہ میں بے کار ہو جاتا ہے۔ عربی کا مقولہ ہے: "اذا ثبت الشیٔ ثبت بجمیع لوازمہ وانتفاء موانعہ" یعنی جب کوئی چیز بکمالہ ثابت اور موجود ہوگی تو اپنے تمام لوازمات اور موانع کے انتفاء کے ساتھ ہوگی

تو ادھر تو محبت کا دعویٰ اور ادھر محبوب کے دشمنوں کے ساتھ چاہے فی الجملہ ہی تعلق ہو۔ یہ کیسا؟ ھذا العموی فی الفعال بدیع۔ شیخ سعدی شیرازیؒ تو ایسے دوست سے ہاتھ دھو لینے تک کو فرماتے ہیں ؎

بشوا ے خردمند زاں دوست دست
کہ با دشمنانت بود ہم نشست

یعنی اگر تو عقل مند ہے تو ایسے دوست سے جو تیرے دشمنوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہو ہاتھ دھو لے۔ یعنی اس سے دوستی کی امید مت رکھ اور دوستی اس سے ختم کر لے۔

فصل سوم: بغض کے اظہار کے آداب و شرائط

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اہل معاصی کے بغض کے ساتھ اللہ کے یہاں تقرب حاصل کرو اور ان سے ترش روئی سے ملو اور ان سے ناراضی میں اللہ کی رضا تلاش کرو۔ (جامع صغیر)

سند اگرچہ ضعیف ہے مگر مضمون کی دوسری احادیث سے تائید ہوتی ہے۔ عزیزی شارح جامع صغیر نے لکھا کہ مطلب یہ ہے کہ اس معصیت سے بغض رکھو نہ کہ اس شخص کی ذات سے اور یہی مطلب ہے ان سب احادیث کا جہاں اس قسم کے مضامین وارد ہوئے ہیں کہ آپس کے تعلقات کی وجہ سے اس میں جو معصیت ہے وہ بھی ہلکی نہ بن جائے اور اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس معصیت کی وجہ سے اس میں جو صفت اسلام ہے وہ نظر انداز نہ ہو جائے ان دونوں افراط و تفریط کے درمیان میں اعتدال ہے یہی اصل تعلیم ہے اور یہی ہر چیز کو اس کے درجہ میں رکھتا ہے جس کے ہم لوگ مامور ہیں یہ تو مسلمانوں کے بُرے اعمال کے متعلق طرز عمل کا بیان تھا۔ لیکن

شریعت میں اس طرزِ عمل اور اعتدال کا یہاں تک اہتمام کیا گیا کہ کفار کی بدترین اور نجس چیز بتوں کو بھی گالیاں دینے سے منع فرمادیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً بغیر علم۔ یعنی تم گالیاں نہ دو ان (معبودوں) کو جن کو یہ مشرک اللہ (کی توحید) کو چھوڑ کر پکارتے ہیں (اور عبادت کرتے ہیں کیونکہ تمہارا ایسے کرنے سے) پھر وہ لوگ بوجہ جہل کے حد سے گذر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے اور ارشاد ہے: ولا یجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا یعنی ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جو اس سبب سے بغض ہے کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام میں جانے سے روک دیا ہے وہ بغض تمہارے لیے اس کا باعث بن جائے کہ کہ تم حد سے گذر جاؤ۔

غور کرو یہاں کفار کی مخالفت کیسی سخت اور مذموم تھی لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کو ان کی مخالفت میں بھی حد سے تجاوز کرنے کی ممانعت کردی گئی۔ ظاہری آداب اور اُصول بغض کے اظہار کے بہت ہیں جو عرصہ تک تبلیغ وارشاد کا کام کرنے کے بعد معلوم ہوا کرتے ہیں۔ ان میں ایک نرمی سے گفتگو کرنا چنانچہ خدائی کا دعویٰ کرنے سے بڑھ کر کوئی جرم اور بُرائی نہیں ہوسکتی لیکن حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ السلام کو جب فرعون کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا تو "قولا لہٗ لیناً" کا حکم فرمایا۔ آداب میں ایک چیز یہ ہے کہ پہلے مانوس کرو پھر بات کرو، اسی طرح ایک یہ ہے کہ مناسب موقع اور تدریج کا لحاظ کرو کہ جب مخاطب میں دل کے کانوں سے سننے اور ماننے کی استعداد کی توقع ہوجائے تب بات کی جائے اس سلسلہ میں خیال تو بہت کچھ لکھنے کا تھا اور اس بارے میں اپنے اکابر کے واقعات بھی بہت ہیں مگر رسالہ کا حجم بڑھ جانے کا ڈر ہے

اس لیے اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔

سب باتیں ایک ہی اُصول میں سمائی ہوئی ہیں کہ معصیت سے دل میں شدید نفرت و بغض ہونا چاہئیے اور عاصی اور مبتلا بہ پر دل میں ترس، شفقت اور اس کی اصلاح کے لیے دلسوزی، توجہ اور فکر ہونا چاہئیے جیسے کہ اپنے ماں باپ یا بیٹے کے جسم پر نہایت بدبودار پھوڑا نکل آئے یا ایسا کوئی قابل نفرت مرض ہو جائے تو ماں کو بیٹے کی ذات سے نفرت نہیں ہوتی بلکہ اور زیادہ شفقت ہوتی ہے۔ انکے مرض کے اثرات سے اپنے کو بچاتے ہوئے علاج کا فکر، تدبیر کی جاتی ہے۔ جس میں کبھی مریض کی تسلی کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی ڈانٹ ڈپٹ اور سختی کی بھی۔

یہاں ایک ضروری امر یہ بھی ہے کہ بعض کامل مشائخ سے کبھی کبھی ان سارے اصولوں اور آداب کے خلاف بعض وقت انتہائی نرمی کا معاملہ ظاہر ہوتا ہے جو بظاہر مداہنت اور چاپلوسی کے مشابہ ہوتا ہے اور بعض وقت انتہائی سختی کا جس سے بظاہر خطرہ ہوتا ہے کہ مخاطب برگشتہ ہو کر اپنا حال مزید خراب کرلے گا اور آئندہ اس کے قریب آنے کی توقع نہیں رہے گی۔ تو اس میں عامی آدمی کو ان کی ریس کرنا مناسب نہیں۔ ان کا طرز عمل بعض وقت الہامی طور پر باذن اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور بعض وقت ان کی قوت نسبت اور اخلاص کی وجہ سے دونوں صورتوں میں بُرا اثر نہیں ہوتا بلکہ یہ نشتر کامیاب ہو جاتا ہے اور بعض وقت وہ حضرات غلبۂ حال کی وجہ سے معذور ہوتے ہیں۔ مصالح و آداب کا خیال نہیں کرسکتے ایسی حالت میں نہ تو ان پر ملامت ہوسکتی ہے نہ اتباع ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

ایک بزرگ کے وصال کے بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز

نے ان کے خلفاء سے فرمایا تھا کہ مریدین کی اصلاح میں حضرت ..... کا طرز سیاست اس وقت تک اختیار نہ کرنا جب تک تم خود حضرت ..... نہ بن جاؤ ۔

ضروری وضاحت

۱۔ آجکل ہم لوگ اخلاق شرعی کی حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں عرفی اخلاق ہی کو جانتے ہیں اور اس طرح غیرتِ دینی اور حمیتِ دینی سے بھی بالکل کورے ہیں۔ اگر غیرت کا مادّہ کسی میں ہے بھی تو وہ اپنی ہی عزتِ نفس کی خاطر ابھرتا ہے لیکن جب دین کا معاملہ سامنے آتا ہے تو نہایت بے غیرتی سے ہم حلم بردباری اور صلح کلی کا مطالبہ کرتے ہیں، اور سچے عشاق اور سچے اخلاق والوں پر طعن کرتے ہیں ۔ اسی طرح کبھی مداہنت اور مدارات کا فرق نہ سمجھ کر اللہ والوں پر معترض ہوتے ہیں۔

۲۔ اولیاء اللہ کا جملہ اخلاق حسنہ مثل تواضع حلم، بردباری وغیرہ سے متصف ہونا ضروری ہے اور ولایت میں سب سے بڑھ کر رتبہ صحابہ کرام کا ہے ان میں یہ صفات بدرجۂ اتم تھیں۔ پھر ان سے بڑھ کر انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان سب سے بڑھ کر رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: " انك لعلى خلق عظيم " کہ آپ کے بڑے عظیم اخلاق ہیں اور خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ "میں تو حسنِ اخلاق کی تکمیل کرنے کے لیے ہی بھیجا گیا ہوں ۔" (مشکوٰۃ) اور ارشاد فرمایا کہ " ادبنی ربی فاحسن تأدیبی "۔ میرے رب نے براہِ راست میری تربیت کی ہے اور خوب سے خوب تر کی ہے۔"

۳۔ اولیاء و انبیاء کے حلم و بردباری اور درگذر نے کے جتنے قصے ہیں وہ سب ان کی اپنی ذات اور اپنے نفس کے متعلق ہوتے ہیں، لیکن دین کے بارے میں

ان حضرات کے شرعی خُلق کا بھی نمونہ دیکھیں۔ صحابہ کرامؓ کی پاک زندگی میں اور اولیاء کرام کے قصوں میں اس کے کچھ نمونے گذشتہ اوراق میں گذر چکے ہیں، یہاں حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے ملفوظات سے کچھ نقل کرتا ہوں۔ حضرتؒ نے چند مشہور واقعات کی طرف بہت مختصر اشارے فرمائے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ قرآن میں یہ آیتیں بھی ہیں۔

(ا) اخذ برأس اخیہ یجرہ الیہ۔ جو اخلاق موسیٰ کا بہترین نمونہ ہے کہ غیرت دینی میں انہوں نے اپنے بھائی تک (جو نبی بھی تھے) پر اس درجہ غصہ کا اظہار فرمایا کہ (ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچا)۔

(ب) "ھذا فراق بینی و بینک" جو اخلاقِ خضر کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ میں شرائطِ صحبت نہ پاکر تربیت ختم کر دی۔

(ج) ولیجدوا فیکم غلظۃ میں خوش خلقی ہی کی تعلیم عام مسلمانوں کو دی جا رہی ہے۔

(د) لا تقم فیہ ابداً سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش اخلاقی ہی کی تعلیم ہے کہ اغیار کی ظاہر داریوں پر نہ جایئے اور ان کے ہر معبد کو خدا ہی کے لیے نہ سمجھ لیجئے۔

(ہ) عفی اللہ عنک لم اذنت لھم میں خوش اخلاقی ہی کی تعلیم حضورؐ کو دی جا رہی ہے۔ کہ اذن دینے میں توقف لازم تھا کہ حق ظاہر ہو جاتا۔

(و) واغلظ علیھم میں حضورؐ جیسے رحیم و کریم اور فطری نرم دل کو ذرا غلظت کا حکم دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ جہاں رحمت و رأفت خوش اخلاقی ہے وہاں غلظت بھی خوش اخلاقی ہے۔

(ز) اشداء علی الکفار اور اعزۃ علی الکافرین میں خوش اخلاق مسلمانوں ہی کی مدح ہو رہی ہے۔

(ط) ولا تتولوا قوماً غضب اللہ علیھم اور ولا ترکنوا الی الذین ظلموا میں کفار سے دلی دوستی سے بھی سختی سے روکا گیا ہے اور ان کی طرف دل کے ذرا ذرا سے میلان کو انکی وضع قطع اپنانے سے بھی روکا ہے۔

اسی طرح ذخیرہ احادیث میں:۔

۱۔ خالفوا الیھود و النصاریٰ۔ میں حضورؐ ہم کو تعلیم دے رہے ہیں کہ یہود و نصاریٰ سے (اور مشرکین و کفار سے بدرجہ اولیٰ) معاشرت اور تہذیب سے الگ اپنی معاشرت بناؤ اور ان کی مخالفت کو محافظِ دین جانو۔

۲۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پچاس دن تک اپنے تین صحابیوں سے بولنا خود ترک کر دیا اور سب کو ان کا بائیکاٹ کرنے کا حکم دیا۔

۳۔ حضرت عمرؓ کے انجیل پڑھنے اور اس کی تحسین کرنے پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک سُرخ ہو گیا"۔

دیکھئے یہ سب اخلاق الٰہی اور اخلاق نبوی ہیں۔ غُصّہ میں دوسرے کے سر ڈاڑھی کے بال پکڑنا، قطع تعلقی کرنا، چہرہ کا سُرخ ہو جانا وغیرہ۔ لہذا اپنی جہالت کی وجہ سے اللہ والوں کو بدخلق کہنا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے۔ یہ وضاحت تو بطور جملہ معترضہ بیچ میں آگئی بیان تو اظہار بُغض کے آداب کا تھا۔ رسالہ محبت میں میں تفصیل سے گذر چکا کہ شرعی احکام کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن ہوتا ہے۔ یہاں بھی بُغض کے اظہار کے جو آداب اور حدود بیان ہوئے کہ معصیت سے بغض رکھا جائے عاصی سے بغض نہ رکھا جائے اس عمل کا باطن بھی ہے جس کے دو پہلو ہیں۔

اوّل یہ کہ اپنے کو کسی بھی عاصی سے افضل نہ سمجھے اور دل میں اس کی ذات کی حقارت نہ لائے۔ البتہ معصیت سے اظہار نفرت اور اس سے بیزاری یا اس کو ختم کرنے کے لیے جو تدبیریں عمل میں لائی جائیں گی ان میں اکثر عاصی کی ذات سے قطع

تعلق بلکہ حسب موقع و مصلحت مار پٹائی تک بھی ہوسکتی ہے۔ ان سارے کاموں
میں تکبر سے اپنی بہت حفاظت کرے اور برائی کو حکمت سے ختم کرے ورنہ
کبھی ایک برائی کو ختم کرنے میں اپنے اور غیر کے اندر دس نئی برائیاں پیدا
ہو جاتی ہیں۔ باطن کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ اظہار بغض (ﷲ و فی ﷲ) ہو
اس میں نفس کی آمیزش نہ ہو جسے شفاء نفس کہتے ہیں جیسے کسی کے سامنے ذلیل
ہونا اور جھکنا کوئی اچھی بات نہیں مگر یہی بات اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو انسان کو
حقیقی بلندی دلانے والی اعلیٰ صفت ہے۔ اسی طرح بُغض کا شمار بھی اپنی ذات
کے اعتبار سے رزائل میں ہوتا ہے، بُغض رکھنے والے کے متعلق بہت خطرناک
وعیدیں ہیں لیکن جب یہ لِلّٰہ فی اللہ ہو تو ایمان اور محبت الٰہی کا لازمی جزو کہلاتا
ہے اس کے متعلق دو قصّے لکھ کر اس فصل کو بھی ختم کرتا ہوں۔

شراب کے سو مٹکے

(۱) ایک بزرگ کشتی پر سوار کہیں جارہے تھے کہ
اس کشتی میں سو مٹکے شراب کے بھی رکھے ہوئے
تھے جو کسی جابر بادشاہ کے لیے لے جائے جارہے تھے۔ ان بزرگ نے اپنی
لاٹھی لے کر ننانوے مٹکے توڑ دیئے لیکن آخری مٹکہ کے پاس جب پہنچے تو اس کو
نہیں توڑا۔ منزل پر پہنچ کر بادشاہ کے ملازمین نے ان بزرگ کو پکڑ کر بادشاہ
کے سامنے حاضر کر دیا اور ننانوے مٹکے توڑنے اور ایک کو باقی چھوڑ دینے کا
واقعہ سنایا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ جب تم نے اتنی جرأت اور گستاخی کر لی تھی کہ ننانوے
توڑ دیئے تو ایک کو کیوں چھوڑ دیا؟ بزرگ نے جواب دیا کہ میں نے بُغض فی اللہ میں
توڑے تھے اب جو تمہارا جی چاہے تم کر لو بادشاہ نے پوچھا کہ پھر ایک کو کیوں چھوڑ
دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب ننانوے تک نوبت پہنچی تو میرے دل میں
اپنی جرأت کا خیال آیا اور نفس خوش ہوا۔ پس اب اس نئے جذبہ کے تحت کچھ
کرتا تو اللہ تعالیٰ کیلئے خالص نہ رہتا اس لیے اس کے توڑنے کو فضول عمل سمجھتے ہوئے

نہ توڑا۔ بادشاہ پر ان کے اخلاص کا یہ اثر ہوا کہ بجائے بزرگ کو سزا دینے کے خود ہی ہمیشہ کے لیے شراب سے توبہ کر کے اس مٹکے کو خود ہی توڑ دیا۔

اخلاص کی تاثیر

۲۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور قصہ ہے کہ حضرت کا ایک کافر سے مقابلہ ہوا جسے بغض فی اللہ میں قتل کا ارادہ رکھتے تھے جب حضرت اس کو گرا کر اس کے سینہ پر بیٹھ گئے اور قتل کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نے چہرۂ انور پر تھوک دیا حضرت فوراً اس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے وہ حیران رہ گیا۔ پوچھا کہ میری اس حرکت سے تو آپ کو اور زیادہ میرے قتل میں جلدی کرنا چاہیئے تھی آپ نے کیوں چھوڑ دیا۔ فرمایا کہ تیری اس حرکت سے میرے نفس میں جنبش آئی اور میرے غصہ میں نفسانیت شامل ہو گئی خالص اللہ کے لیے نہ رہا اس کافر اور دشمن پر اس اخلاص کی تیز روشنی نے بجلی کا کام کیا اور اس کے سینہ کی کدورت اور کفر کی ظلمت کو ختم کر دیا۔ اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا۔

یا اللہ ہمیں بھی اخلاص کا کوئی شمہ نصیب فرما دے اور اسی پر خاتمہ فرما۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی النبی الکریم الذی هو بالمؤمنین رؤف رحیم

احقر

محمد اقبال ہوشیارپوری مہاجر مدنی

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ

مدینہ طیبہ

محبت کے راستے کی دیگر کتب کی فہرست خصوصاً برائے متوسلین

خصوصاً برائے متوسلین حضرۃ شیخ الحدیث دام مجدہٗ

(۱) تعلیم الاسلام۔ بہشتی زیور مکمل۔
(۲) تبلیغی نصاب حصہ اوّل و حصہ دوم۔ شمائل ترمذی
(۳) شریعت و طریقت کا تلازم۔
(۴) اکابر کا سلوک و احسان، اکابر علماء دیوبند۔
(۵) ارشاد الملوک، اکمال الشیم۔
(۶) صراط مستقیم، ارشاد الطالبین، کلیات امدادیہ
(۷) مکتوبات رشیدیہ، الاعتدال فی مراتب الرجال۔
(۸) اُمّ الامراض، اکابر کا تقوٰی، موت کی یاد۔
(۹) حیوٰۃ المسلمین، تعلیم الدین، تعلیم الطالب۔
(۱۰) اکابر کی سوانح مثلاً تذکرۃ الرشید، تذکرۃ الخلیل، اشرف السوانح
سوانح حضرت رائپوری، مکتوبات حضرت شیخ الاسلام مدنی
(۱۱) آپ بیتی ۷ حصے۔ کلید مثنوی۔